پیغمبر اسلام ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے غیر مسلموں کے ساتھ مکالموں کے دوررس اثرات ونتائج

پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالرحیم خان
صدر: شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ سٹی کالج نمبر 2 کراچی

ABSTRACT

Our beloved Prophet Hadrat Muhammad Mustafa (S.A.W) during his pious life many time had talks discussion and dialogues with the non muslims, Kuffar, muskrekeen, Jews and Nasara. The intelligence, wisdom and forcibility of the prophet (S.A.W) had been acknowledged and admired by the all of non muslims who met and talked with him.

Hudabiah treaty (Sulh-e-Hudabiah), Journey to Taif and many other agreements are the evidence of the wisdom of our prophet (S.A.W) Khulfa-e-Rashideen who got all the knowledge from the most leanred i.e. that our prophet (SAW) also proved their wisdom while had discussion and talks with non muslim during their time after the prophet (SAW) and their character were the following of Sunnah (SAW) we see he Khulfa-e-Rashideen providing to be

the real follower of our prophet (SAW) in all walks of life whether it belongs to normal life of a citizen or to the other matter related to the state and government. They proved to be the best followers of prophet (SAW) whatever the matter was, they showed the discharge of their responsibility as the students and the followers of the greatest teacher of the universe.

Historians, Interpreter of Quran, Narrators of Hadis, Biography compilers and Writers.

Who wrote to the best of their abilities about the pious and pure life of the prophet (SAW) also ackwnoeldge the wisdom and intelligence of the Khulfa-e-Rashideen too

These great personalities of Islam who preached and flourished Islam all over the world., deserve that their work of great importance must be brought out of the history books so as to present them before the Muslim and non Muslim world of present time.

The discussions and dialogues of the prophet (SAW) and Khulfa-e-Rashdeen with the non-Muslims is the basic and important act that had played great part in preaching and spreading Islam all over the world their work of ·eat importance have been acknowledged by

the other Muslim followers as well as by the non Muslim world too.

In the light of above, the dialogue and discussion of prophet (SAW) and Khulfa-e-Rashideen (SAW) with the non Muslim as well as their long time effective impact will come under discussion in this article.

Therefore this article will help proving Islam as the true and Holy religion. Morever, non Muslim will also understand the important of Prophet's and Khulfa-e-Rashdeens dialogues and talks with non Muslim that shows the greatness of prophet, Muslims and Islam and it has been proven in the history.

This article will also let us know what path have our great ancestors have set for us and how can we make our life acceptable before Allah.

اصناف ادب میں مکالمہ منفرد خصوصیات کا حامل ہے، تقریر و تحریر کے مقابلہ میں یہ صنف اثر انگیزی میں کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ متکلم اور مخاطب کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے۔ مزید برآں اس میں آمد کی سی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ مکالمہ متکلم کی شخصیت اس کے مزاج و مرتبہ اس کے علم و فضل، فکر و نظر کی افتاد، اس کے ظاہر و باطن کے احوال، غرض یہ کہ متکلم کے ہر پہلو کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ماحول کے تقاضوں کا بھی عکاس ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے افہام و تفہیم کا جو ماحول پیدا ہوتا ہے وہ کسی بھی دوسری صنف ادب میں ممکن نہیں، نیز یہ تعلیم و تعلم کا بھی مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

عالمی ادب میں عظیم مکالمات کی فہرست زیادہ لمبی چوڑی نہیں، جدید تحقیق کے مطابق اس

کی ابتداء سسلی کے ''سوانگ ادب'' سے ہوئی۔ یہ سوانگ نثر مسجع میں لکھے گئے تھے۔ یہ ناپید ہیں۔ ان کے بعد افلاطون، جو سسلی کے سوانگ ادب سے واقف تھا، نے مکالمات کو اپنی فکر کا ذریعہء اظہار بنایا۔ وہ اپنی مشہور زمانہ اکاڈیمی میں اپنے طلبہ کو مکالمات کے ذریعہ اپنے فلسفیانہ افکار کی تعلیم دیتا تھا۔ افلاطون نے مکالمات کو ایک نیا اور منفرد اسلوب دیا۔ اور اپنے فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لئے جس طریقے سے اس نے اپنایا یہ صرف افلاطون کا حصہ ہے۔ افلاطون کے بعد دو فرانسیسیوں برنارڈ ڈی فانٹی تیلی اور فینی لون نے ''روحوں کے مکالمات'' کے نام سے اپنے افکار کو پیش کیا۔ تاریخ ادب میں جان۔ ڈی ویلڈی، ٹرکو ایٹوٹا سوڈانو برونو۔ گلیلیو وغیرہ کے مکالمات کا ذکر بھی آتا ہے۔ ان اہم مکالمات میں سے کچھ کا موضوع، نیچرل تھیالوجی، حیات صوفیہ اور مافوق الفطرت مسائل ہیں۔ جبکہ کچھ روزمرہ مسائل سے متعلق طنزیہ انداز میں لکھے گئے ہیں

عالمی ادب کے ان تمام مکالمات میں جو شہرت دوام افلاطون کے حصہ میں آئی وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی، جہاں کہیں بھی مکالمات کا نام آتا ہے یا لیا جاتا ہے۔ اس سے مراد مکالمات افلاطون ہوتی ہے۔ افلاطون کی عظمت ایک فلسفی اور ادیب کی حیثیت سے مسلّم ہے۔ اس سے کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن وہ بنیادی طور پر ایک فلسفی اور حکیم تھا۔ ظاہر ہے کہ فلسفہ کی ابتداء بھی تشکیک سے ہوتی ہے اور انتہا بھی تشکیک پر۔ اس لئے جب ہم مکالمات افلاطون کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے، اپنی تمام تر عظمت کے باوجود ان کے مکالمات میں مسائل سلجھتے نہیں، الجھتے جاتے ہیں اور قاری کسی ایک حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتا۔ اس لئے ان کی ہمہ گیری محل نظر ہے ان کے مکالمات میں فلسفیانہ افکار و مسائل بھرپور انداز میں ملتے ہیں، جو افلاطون کی شخصیت (بحیثیت فلسفی کے) کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی مطالعہ کرتے وقت ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ یہ ایک فرد کی فکر کا نچوڑ ہیں۔ اور انسانی فکر اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود محدود ہوتی ہے۔ دوسری قابل لحاظ بات جو ہمیں پیش نظر رکھنی چاہیئے وہ ہے افادیت کے لحاظ سے مکالمات فلاطون کا دائرہ محدود تر ہے کیوں کہ اس کی فلسفیانہ موشگافیاں اور مبحث کا سمجھنا ایک خاص طبقہ تک محدود ہے۔ نیز یہ کہ اس خاص طبقہ کے دانش ور بھی اس کے افکار کی تشریح اور تفصیل میں متفق نہیں۔ اور عمل کے لحاظ سے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک عظیم فلسفی کے عظیم افکار ہیں۔ جو عمل کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ (۱)

پیغمبر اسلامؑ کے مکالمات کی اہمیت اور انداز تکلم کی چند خوبیاں:-

حضور سید المرسلین ﷺ کے مکالمات ہر لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہیں۔ اگر چہ آپؐ کے مکالمات کو دوسرے مکالمات کی طرح منضبط اور مدون نہیں کیا گیا۔ یہ درّ بے بہا احادیث، سیر، شمائل، مغازی اور تاریخ کی کتب میں بکھرے پڑے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی قاری مکالمات نبویؐ کا مطالعہ و تجزیہ کرتا ہے۔ تو اس کا ذہن اس حقیقت کو فوراً قبول کر لیتا ہے کہ ان کے پیچھے اللہ کے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی عظیم شخصیت کارفرما ہے اور اس پردے میں اللہ کا نبیؐ بول رہا ہے۔ کوئی فلسفی، ادیب، یا دانش ور نہیں۔

حضور سرورِ کونین ﷺ کے مکالمات اپنی خوبیوں کے لحاظ سے منفرد ہیں ن کی خصوصیاتؐ احاطہ کرنا تو ایک ناچیز بندے کے بس کی بات نہیں تاہم اہم خوبیاں یہ ہیں۔

سلاست وسادگی

ایجاز و جامعیت

برجستگی و معنویت

گفتگو کا متوازن انداز۔ یعنی برمحل، مناسب حال عام فہم بات چیت

فلسفیانہ موشگافیوں اور گنجلک انداز بیان سے پاک

فصاحت و بلاغت

اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہمہ گیر ہیں۔ ایک مفکر اور دانش ور سے لے کر ایک عامی تک ان کے مطالعہ سے یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔

یہ خوبیاں حضور سرورِ عالم ﷺ کے مکالمات کو دنیا کے دوسرے مکالمات کے مقابلے میں، منفرد، ممتاز اور ہر لحاظ سے بلند و برتر ثابت کرتی ہیں، ان کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد مسلمان تو الگ رہے، منصف مزاج غیر مسلم سکالر بھی اس بات کا اقرار کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ جس طرح قرآن مجید ہر لحاظ سے ایک مفرد اور اعلیٰ اور ارفع مقام کا حامل ہے بعینہ کلام سید الابرار حضرت ﷺ بھی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے منفرد و ممتاز ہے۔ وہ اللہ کا کلام ہے، یہ اللہ کے نبی ﷺ کا کلام ہے اور ہر لحاظ سے ایک معجزہ ہے۔

سید العالمین ﷺ کی ذات مبارکہ میں دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ دین و شریعت کے مکمل کرنے والے ہیں۔ اللہ کی آخری اور کامل الکتاب آپ پر نازل ہوئی۔ نبوت آپ

کی ذات میں اتمام کو پہنچی۔ اس لحاظ سے آپ کسی ایک امت، کسی ایک قریہ، کسی ایک ملک کے لئے معبوث نہیں کئے گئے۔ بلکہ آپ کی بعثت پورے عالم کے لئے ہے۔ بلکہ عالمین کے لئے اور ہمہ گیر ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے آپ کو جمیع صفات سے نوازا۔ آپ ترجمان وحی الٰہی، بشارت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور انسان کامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس منصب جلیلہ کو بطریق احسن پورا کرنے کے لئے حضور ﷺ کو جمیع علوم کی کلید عطا کی گئی۔ شریعت کے اسرار و غوامض سے آپ ﷺ کو آگاہ فرما گیا۔ حقیقت کائنات کے اسرار آپ پر واضح فرمائے گئے۔ اس راز دان علوم الہیہ کو نہ صرف کلام پر کامل قدرت عطا کی گئی بلکہ فصاحت و بلاغت کا ایسا جوہر عظیم عطا کیا گیا کہ بڑے سے بڑے فصاحت کے دعوے داروں نے آپ کے قدموں میں سر جھکانے کو مقام شرف سمجھا۔

آپ ﷺ کا کلام شیرینی، جامعیت اور خوبی کے لحاظ سے منفرد ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو کلام کا ایسا سلیقہ ودیعت فرمایا تھا کہ دل اس کو سن کر مسحور ہو جاتے تسکین و اطمینان کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے۔ دماغوں کو ایک نئی روشنی ملتی۔ جو شک وارتیاب کے کانٹوں کو نکال کر انہیں گلزار بنا دیتی۔ آپ کو فصاحت و بلاغت جامعیت و معنویت، ایجاز و اعجاز، جو کلام کی بلند ترین خصوصیات ہیں۔ عطا کی گئیں اس کی مثال حضور کے وہ کلمات ہیں جن کا جواب دنیا کی کسی زبان کے ادب عالیہ میں نہیں ملتا۔ اور نہ ہی ممکن ہے۔ ویسے تو آپ ﷺ کا پورا کلام اقوال زریں کا نفیس نمونہ ہے لیکن اختصار کے لئے جوامع الکلم ایک ایسا نمونہ ہیں جس سے حضورؐ کے کلام کی خصوصیات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (۴)

محدثین، مؤرخین علمائے سیر و مغازی نے اپنی تالیفات میں حضورؐ کے مکالمات کثیر تعداد میں محفوظ کئے ہیں ان کا احاطہ کرنا نہایت ہی عرق ریزی کا کام ہے۔ لیکن جب کوئی ان کا مطالعہ کرتا ہے تو اس پر ان درر نایاب کی قدر و قیمت آشکارا ہو جاتی ہے۔ یہ آبدار موتی ایک سلک میں پروئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک موتی بھی اپنی جگہ سے ہٹانا ممکن نہیں۔ یہ مکالمات آپ کی بھرپور شخصیت آپؐ کے منصب جلیل، آپؐ کے اخلاق حسنہ، آپکے مذہبی علم و فضل اور آپؐ کے جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں۔ آج بھی اثر انگیزی کے لحاظ سے ان کی وہی کیفیت ہے جو روز اول تھی ان کو پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سرور کونین ﷺ خود تکلم فرما رہے ہوں دل والے تو دل کی آنکھ سے وہ منظر تک مرتکز دیکھتے ہیں۔ قاری پر ایک ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جسے زبان اور بیان ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ الفاظ ایسے مناسب و موزوں فقرے ایسے نپے تلے، بیان ایسا مربوط اور مکمل۔ مطلب ایسا واضح و صاف اور

انداز ایسا دلنشین کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ اس پر جامعیت، معنویت، سبحان اللہ گفتار رسول رحمتؐ، کلام نبی اللہ، کون ہے ایسا بدنصیب جو اس عظیم نعمت سے محروم رہنا پسند کرے۔

آپ کی دعوت میں اعتدال تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی گفتگو کا انداز بھی معتدل و متوازن ہے۔ آپ کا واسطہ ہر قسم کے لوگوں سے تھا۔ ان میں مہذب وغیر مہذب دانش مند واجڈ، عاقل، گنوار، خواص اور عامی۔ امیر اور غریب سب شامل تھے لیکن ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے نہایت تحمل سے گفتگو فرماتے۔ جس سے پتھر دل بھی موم ہوجاتے۔ آپ کی گفتگو سادہ وسہل تھی جس میں حکمت و دانش علم و حلم پیغمبرانہ جلال و جمال عظمت وشکوہ رسالت، واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ ایسا انداز گفتگو کہیں اور ملنا محال ہے۔ اگر ہم اس انداز تکلم کو انداز رسالت کہیں تو بجا ہوگا کیوں کہ بطور نبی اللہ کہ ان کا انداز منفرد و ممتاز ہے۔ وہبی ہے کسبی نہیں آپ کے انداز گفتگو کے مختلف زاویے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ آپ کی خدمت میں ہر قسم کے افراد۔ یا گروہ حاضر ہوتے، کچھ لوگ دین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوتے۔ کچھ لوگ مسائل دین سمجھنے کے لئے مختلف قسم کے سوالات کرتے۔ کفار ومشرکین محض مزاحمت ومخالفت کی وجہ سے ایسے حیلے بہانے پیش کرتے جن کا مقصد ترغیب، تحریض یا غم وغصہ کا مظاہرہ ہوتا۔ استفسارات کرنے والوں میں اجنبی، تاجر، مزدور کسان، رؤساء، شاعر، خطیب، غرض ہر حیثیت کے لوگ شامل ہوتے۔ کمال تو یہ ہے کہ آپؐ ہر شخص سے اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق گفتگو فرماتے۔ عربی زبان کے ہر بول پر ایسی قدرت آپ کو حاصل تھی کہ مختلف علاقوں سے آنے والے چاہے بدوی تھے یا حضری۔ ان سے ان کے اپنے (قبائلی) لب ولہجہ و بولی میں گفتگو فرماتے۔

صحابہء کرام جو شب و روز آپؐ کی خدمت میں رہتے۔ ان کو قرآنی علوم کی تعلیم اکثر مکالمات کی صورت میں دیتے۔ جو سوال وہ کرتے ان کا نہایت ہی تشفی بخش جواب دیتے جو اشخاص بیعت کے لئے آتے۔ تو انکے پوچھنے پر ان کو دین کی نہایت ہی آسان اور سادہ تعلیمات ارشاد فرماتے۔ آپ کے بولنے کا انداز بالکل ہی الگ تھا جب آپ گفتگو فرماتے۔ تو لہجہ نہایت ہی مناسب ہوتا۔ آواز نہ اتنی بلند کہ گونج پیدا ہو اور نہ اتنی دھیمی کے مخاطب سن ہی نہ سکے۔ الفاظ جملے۔ فقرے ٹھیر کر ادا فرماتے تا کہ مخاطبین ایک ایک لفظ سن لیں اور اسے اپنے دل پر نقش کرلیں۔ اور اگر کوئی بات پوچھنا چاہیں تو

سوچ سمجھ کر موقع پر ہی پوچھ لیں۔ (۳)

آپ گفتگو میں اس قدر تحمل سے کام لیتے کہ سوال کرنے والا پورے اطمینان سے اپنی بات کہہ لیتا۔ آپ اس کی بات پوری توجہ، انہماک، اور ہمدردی سے سماعت فرماتے اور جب تک وہ اپنی بات پوری نہ کر لیتا۔ آپ خاموش رہتے۔ اور یہی انداز اپنی گفتگو میں بھی قائم رکھتے گفتگو سننے کے بعد قاری کے ہر سوال کا جواب نہایت ہی اطمینان سے مختصر مگر پر مغز الفاظ میں دیتے۔ زبان نہایت ہی سادہ ہوتی۔ اور بیان بھی سہل۔

ان خصوصیات کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نفسیات انسانی کے ماہر تھے۔ اس لئے اپنی گفتگو میں نفسیاتی مسلّمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنے کی وجہ سے سائل آپ کی بات سنتے ہی پوری طرح متوجہ ہو جاتا۔ اس پر آپ کے کلام کا امتیاز محفل میں ایسا سکوت طاری ہو جاتا جیسے وہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

آپؐ کے انداز تکلم کی اپنی خصوصیات کی بدولت ہر مخاطب نے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق آپؐ کے کلمات، خطبات، احکام، مسائل اور سب سے بڑھ کر مکالمات کو حرز جان بنایا اور ہمیشہ یاد رکھا۔ جبکہ اعلیٰ استعداد کے لوگوں نے حضورؐ کے اس عظیم سرمایہ کو ہر لحاظ سے محفوظ رکھنے کی سعی بلیغ کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کے ساتھ ساتھ آپؐ کے فرمودات کو نہ صرف سینوں میں محفوظ کیا بلکہ اسے سفینوں میں منتقل کر کے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا (۴)

جس طرح نبی اطہرؐ کے غیر مسلموں کے ساتھ مکالمات، خطبات، فرامین اور خطوط بھی نہ صرف تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑ گئے بلکہ عہد رسالت اور بعد کے ادوار ان کے گہرے اثرات کے امین ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کی ایسی تمام کاوشوں کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔

اب سطور ذیل میں رسول اللہؐ اور خلفاء و راشدین کے بعض مکالمات، خطبات، معاہدوں، فرامین، خطوط اور اُن کے اثرات و نتائج زیر بحث لائے جائیں گے تا کہ ہم اس امر سے آگاہی حاصل کر سکیں کہ دین اسلام کی آبیاری اسکی نشر و اشاعت اور اسکے شوکت و غلبے میں یہ کاوشیں کس قدر سودمند ثابت ہوئیں۔

اعلانیہ تبلیغ ودعوت اور ابولھب سے رسول اللہ ﷺ کا مکالمہ:

و انذر عشیر تك الاقربین (۵)

اور ڈر سنادے اپنے قریب کے رشتہ داروں کو۔

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے(٦)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم الٰہی کی بجا آوری میں اپنے اقارب کو دعوت دین حق سے بہرہ ور کرنے کے لئے مدعو کرلیا۔

طبری میں اس آیت سے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں:

"صعد رسول اللہ ﷺ ذات یوم الصفه فقال یا صباحاه فا جتمعت الیه قریشا فقالوا مابالك قال أرأیت ان اخبرتکم ان العدو مصبحکم او ممسك اماکنتم تصد قوننی قالو بلی قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید فقال ابو لھب تبالك الھذادعوتنا اور جمعتنا فانزل الله عزو جل تبت یداالبی لھب و تب (٧)

"رسول اللہ ایک روز کوہ صفا پر چڑھے اور قریش کو پکارا وہ سب آپ کے پاس آگئے اور پوچھا کیا بات ہے۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایک ایسے شخص کی اطلاع دے دوں جو تم پر صبح یا شام کو حملہ آور ہونے والا ہے۔ کیا تم میری تصدیق نہیں کرو گے۔ قریش اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تم کو سچا سمجھتے ہیں۔ آپ: تو سن لو:

"فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید"

(میں تم سب کو ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں) ابولہب: تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں اس لئے بلایا تھا (جمع کیا تھا) اس پر اللہ رب العزت نے سورۃ تبت یدا ابی لھب نازل فرمائی۔

اسی طرح حسن بن ابی الحسن سے مروی ہے جب یہ آیت "و انذر عشیر تك الاقربین

"رسول اللہؐ پر نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے ابطح میں کھڑے ہو کر پکارا اے بنی عبدالمطلب اے بنی عبدمناف، اے بنی قصی! اسکے بعد آپؐ نے قریش کے تمام قبائل کو فرداً فرداً نام بنام مخاطب کر کے کہا، میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

عبدالرحمٰن بن القاسم اپنے والد سے مروی ہیں کہ رسول اللہ کو یہ حکم ملا کہ اللہ کی جانب سے ملنے والے پیغام کو عام کریں لوگوں کو تعلیم اور دعوت الیٰ اللہ دیں۔ نبوت ملنے کے تین سال بعد تک آپؐ خفیہ تعلیم و تبلیغ کرتے رہے اب آپ کو اعلانیہ تبلیغ دین کا حکم ملا (۸)

قریش جو عرب میں اپنے آپ کو سب سے بڑا سمجھتے تھے جیسے سمندر میں ویل مچھلی نبی کا وعظ پسند نہ آیا اسکی چند وجوہات تھیں

(۱) وہ نبوت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کے سمجھانے کے لئے آئے

(۲) وہ جزاوسزائے اعمال کے قائل نہ تھے اس لئے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جوابدہی ہوگی انکے نزدیک بالکل قابل تمسخر تھی۔

(۳) وہ خاندان اور شرافت بزرگان پر نہایت مغرور تھے اور انہیں اسلامی مساوات اور اسلامی اخوت کا قبول کرنا ایک قسم کی حقارت اور ذلت محسوس ہوئی

(۴) ان میں اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے اور دشمن قبیلے کے ایک شخص کی تعلیم پر چلنا انہیں عار معلوم ہوتا تھا

(۵) وہ بت پرستی پر بالکل قائل تھے اور اس سے برتر کسی مذہب میں کسی خوبی کا امکان بھی ان کے تصور میں نہ آتا تھا۔

(۶) وہ زنا، جوا، رہزنی، قتل، عہدشکنی، آوارگی، ہر ایک قانون و وعدہ کی بندش و قیود سے آزاد رہنے، بے شمار عورتوں کو گھر میں ڈال رکھنے کے عادی تھے اور اسلام نام کا قانون انکو اپنی پیاری عادات کا دشمن معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کا فیصلہ کیا۔ (۹)

دشمنوں کے ریزولیوشن آنحضرت ﷺ کے خلاف اوراس کا سبب:

محمد کو ہر طرح سے دق کیا جائے، بات بات میں اسکی ہنسی اڑائی جائے، تمسخراور ایذا سے اسے سخت تکلیف دی جائے، محمد کو سچا سمجھنے والوں کو انتہا درجہ کی تکالیف کا شکار کیا جائے (۱۰)

کوہ صفا پر جس نے پکارا وہ وہی ''محمد'' تھا جس کا نام لینا لوگ بے ادبی سمجھتے تھے جس کو ''الصادق، الامین'' کہا کرتے تھے۔ جس سے دعائیں کرایا کرتے تھے۔ برکتیں حاصل کیا کرتے تھے جس نے کچھ عرصہ پہلے اس خوفناک ہنگامہ کو نہایت خوبصورتی سے ختم کیا تھا جو تعمیر کعبہ کے وقت حجراسود کے سلسلہ میں سر اٹھا چکا تھا۔

کوہ صفا کی مختصر تقریر میں جن خرابیوں کی طرف آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا ان کا احساس خود قریش کو بھی تھا انہی کمزوریوں اور خرابیوں کی اصلاح کے لئے چند سال پہلے وہ انجمن بنائی تھی اور عہد نامہ طے کیا تھا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور تھا۔

یہ ''ابولہب'' جو اس وقت سب سے پہلے مشتعل ہوا آنحضرت ﷺ کا وہی عم بزرگ ہے جو آنحضرت ﷺ کی ولادت پر اتنا خوش ہوا تھا۔ کہ اپنی باندی ثویبہ کو فوراً آزاد کر دیا۔ اسی ثویبہ نے سب سے پہلے اس نونہال محمد ﷺ کو دودھ پلایا تھا پھر یہ خفگی اتنی برافروختگی اور بوکھلاہٹ کیوں؟

اس کا سبب وہ انقلاب تھا جس کی تصویر اس مختصر جماعت کے آئینہ کردار میں ان کو نظر آ رہی تھی جو اس چند سال کے عرصہ میں (جو تربیت کے لئے مخصوص تھا) محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن میں تربیت پا کر تاریخ عالم کے پلیٹ فارم پر جلوہ گر ہو چکی تھی جو ایک طرف شرک والحاد کے مقابلہ میں توحید، فسق و فجور کے مقابلہ میں مکارم اخلاق، حیوانیت اور بہیمیت کے مقابلہ میں انسانیت اور شرافت کے علمبردار تھی، تو دوسری جانب راتوں کو اٹھ اٹھ کر کلام الٰہی کی وہ آیتیں بھی گنگنایا کرتی تھی جو مفاد پرست دولت و ثروت اور ظالمانہ سرمایہ داری کے خلاف گرج رہی تھیں۔ جس کا کردار یہ تھا کہ اپنی دولت کو راہ خدا میں لٹا کر ان آیتوں کے مفہوم و مقصود کا وہ نقشہ پیش کر رہی تھی۔ جو ان دولت پرستوں کے لئے بہت ہی وحشتناک تھا۔ جھنجھلاہٹ اور اشتعال کا باعث یہ بھی تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو سمجھانے کی کوششیں کیں وہ ناکام ہو چکی تھیں۔

ابولہب جیسا سرمایہ پرست جو خزانہ کعبہ کے غزالہ زریں پر بھی ہاتھ مار دے عاص بن ا

جیسا ذخیرہ اندوز جو مزدور کی مزدوری تک ٹلاتا رہے۔ ولید بن مغیرہ جیسا حریص جو سب سے بڑا دولت مند ہونے پر بھی صبر نہ کرے اور اس کی طمع اور لالچ کا جہنم ھل من مزید پکارتا رہے عتبہ بن ربیعہ اور مسعود ثقفی جیسے جاگیردار جن کی زندگی کا نصب العین ہی جاگیرداری اور زراندوزی ہو ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط جیسے باغی اور طاغی بڑے بڑے کاروبار کے مالک جو مکہ اور مکہ سے گذر کر پورے عرب پر چھائے ہوئے ہوں سورہ ھمزہ میں انہی جیسوں کے لئے فرمایا گیا ہے۔

جہنم کی ہلاکت اور بربادی ہر ایسے شخص کے لئے ہے جو دوسروں کے عیب نکالے اور ان کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے طعنے دے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مال بٹور رکھا ہے اور اس کو بار بار گنتا رہتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا (اس کی سرمایہ داری پائیدار ہوگی، ہرگز نہیں، بلاشبہ ایسا ہوگا کہ اس کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ تم جانتے ہو حطمہ کیا ہے وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں کو جھانک لیتی ہے بلند اور دراز ستونوں کی طرح اس آگ کے شعلے ہوں گے ان لوگوں کو ان آتشیں ستونوں میں گھیر کر بند کر دیا جائے گا۔ (۱۱)

اثرات ونتائج:

اس دعوت کے ذریعے منصب نبوت کی صحیح تعریف اور نشاندہی کر دی گئی۔

(۱) غیبی حقائق اور وہبی علوم میں نبوت کا مقام و مرتبہ اور اسکی حکمت و بلاغت کے ساتھ ترجمانی کی گئی۔

(۲) دعوت اور تبلیغ کا سب سے سہل اور قابل فہم انداز بیان پیش کیا گیا۔

(۳) سب سے خطرناک دشمن کی نشاندہی کر دی گئی۔

(۴) نفس کی شرارتوں اور اس کے ہولناک انجام کو واضح بیان کیا گیا۔

(۵) نفس کسی کمین گاہ میں چھپے دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔

(۶) خالق و حاکم کائنات کی ذات و صفات سے غفلت اسی طرح۔

(۷) بندے کا اپنے حقوق و فرائض سے غافل ہونا اسی طرح اسمائے حسنیٰ سے غفلت یا شرک و بت پرستی کا شکار ہونا یا اندھادھند نفس کی اسیری میں گرفتار رہنا بھی واضح کر دیا گیا۔

(۸) شان رسالتؐ میں گستاخی کرنے والے کے لئے بدترین عذاب یقینی ہے۔

(۹) ابولہب حضور پاک کا حقیقی چچا تھا لیکن شاتم رسول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی نے اپنے لافانی کلام میں اسکی ہلاکت و بربادی کو بیان کرنے کے لئے ایک مکمل سورت نازل فرما دی۔

(۱۰) سورۂ تبت یدا ابی الہب نازل فرما کر اللہ تعالی نے یہ واضح کر دیا کہ دعوت حق کی راہ میں کسی قسم کا فساد اور کوئی بھی فسادی ہرگز ہرگز برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہؐ اور ابو طالب کا مکالمہ

اب وہ وقت آن پہنچا جب اہل قریش ہمہ وقت آپؐ کی باتیں کرتے دکھائی دیتے۔ آپؐ سے دشمنی کی فضا ہموار کی جانے لگی۔ اس سلسلہ میں ابو طالب پر واضح کر دیا گیا کہ اب کسی وقت بھی قریش کے صبر کا دامن چھوٹ سکتا ہے۔ان لوگوں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ اب ہم اپنے باپ دادا کی مذمت، اپنے معبودوں کو برا بھلا کہلانے اور اپنے آپ کو بیوقوف و نا سمجھ کہے جانے کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔

ابو طالب مجبور ہو گئے کہ محمدؐ سے دوٹوک گفتگو کر لی جائے چنانچہ ابو طالب نے آپ کو بلوا بھیجا اور کہا کہ میرے بھتیجے تمہاری قوم کا ایک وفد میرے پاس آیا تھا۔ وہ تم سے تمہاری ان باتوں کے سبب سخت نالاں ہیں (اب میری یہ درخواست ہے کہ) تمہیں میرا اور اپنا خیال کرنا ہوگا۔ (ان کی جانب سے کوئی بھی انتہائی قدم اٹھایا جا سکتا ہے) اس لئے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں۔

اللہ کے رسولؐ معاملہ کی نزاکت سمجھ چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایسا حکیمانہ جواب دیا جس سے بہتر اور کوئی جواب ممکن نہ تھا محمدؐ نے فرمایا:

> يا عم والله لو وضعوا الشمس في يميني و القمر في يساري علىٰ ان اترك هذا الامر حتى يظهر الله اواهلك فيه ماتر كته قال ثم استعبر رسول الله فبكى ثم قام، فلما ولى ناداه ابو طالب فقال: اقبل يا بن اخى فا قبل رسول الله ﷺ فقال: اذب يا بن اخى فا قبل رسو ل الله ﷺ فقال: اذب يا بن اخى فقل ما اجبته فو الله لا اسلمك لشئى ابداً

چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر

رکھ دیں اور خواہش کریں کہ میں اس (فریضہ دعوت تبلیغ) کو ترک کروں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس (دین) کو غالب کر دیں یا اس راہ میں میں جان دے دوں۔ تب بھی میں اس (فریضہ کی ادائیگی) سے نہیں رک سکتا۔'' یہ کہنے کے بعد آپؐ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور آپؐ رو دیئے پھر آپؐ اٹھ کر جانے لگے آپؐ کے جانے کا منظر دیکھ کر ابو طالب نے آپ کو پکارا اور کہا اے میرے پیارے بھتیجے۔ تم جاؤ اور تم جو بات پسند کرو کہہ ڈالو (جس طرح چاہو دین کی تبلیغ کرتے رہو) خدا کی قسم میں کبھی بھی اور کسی صورت میں بھی تمہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ (۱۲)

اثرات ونتائج:

۱) قریش اپنی چال میں ناکام ہو گئے اور ابو طالب کو آپؐ کی پشت پناہی سے باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۲) آپ کی دعوت و تبلیغ کے عزم کو ایک نئی امنگ حاصل ہوئی۔

۳) یہ سب دیکھ کر قریش مکہ سٹ پٹا کر رہ گئے

۴) قریش مکہ اب نئی سے نئی سازش تیار کرنے میں لگ گئے۔ تاکہ شمع اسلام کو کسی طرح بجھایا جا سکے۔

۵) جبکہ دوسری جانب آپؐ نے اس گفتگو میں یہ ثابت کر دیا کہ یہ سر کٹ تو سکتا ہے۔ لیکن غیر اللہ کے آگے جھک نہیں سکتا۔

۶) رسول، اللہ کا وہ پیغام رساں ہوتا ہے جو اللہ کے دین کی آبیاری کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کر سکتا ہے۔

۷) رسول اللہ ﷺ کو مشن رسالت کی تکمیل سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

۸) اصل قوت و طاقت کا سرچشمہ باریٔ تعالیٰ کی ذات ہے رسول اللہ کا اصل محافظ و نگہبان تو وہی ہے اسکی نگہبانی و سرپرستی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کی سرپرستی و پشت پناہی کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اطہر تو توکل علی اللہ کو ہی اپنا زادِ راہ سمجھتی ہے۔

عتبہ اور رسول اللہؐ کے مابین مکالمہ

دین اسلام کی روز افزوں ترقی اور قبولیت اسلام میں مسلسل اضافہ نے کفار قریش کو فکر میں

مبتلا کر دیا اس وقت عتبہ بن ربیعہ نے قریش کے سامنے یہ بات رکھی کہ مجھے اجازت دیں کہ میں محمدؐ سے مل کر ان سے مفاہمت کی کوئی راہ تلاش کر سکوں۔ ممکن ہے انہیں میری کوئی پیش کش اور تجویز پسند آجائے اور وہ دعوت اسلام سے باز آجائیں کفار قریش نے اس کو نہ صرف اجازت دے دی بلکہ اپنا نمائندہ بھی قرار دے دیا۔

آخر عتبہ آپؐ کے پاس پہنچا اور سامنے بیٹھ کر گویا ہوا اے میرے بھتیجے تمہیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ تم ہمارے درمیان کس حیثیت کے مالک ہو تم نے ہماری قوم کے افراد کو جاہل و بے قوف قرار دے کر ان میں انتشار برپا کر دیا ہے۔ تم نے ہمارے معبودں اور ہمارے مذہب پر عیب لگایا۔ ہمارے آباؤ اجداد کے طریقہء عبادت کو غلط قرار دیا۔ تمہاری یہ باتیں قوم میں ایک بڑے جھگڑے کو جنم دینے اور ان میں زبردست انتشار برپا کرنے کا باعث ہیں اب میں تمہارے سامنے کچھ تجاویز پیش کرتا ہوں (اور امید کرتا ہوں) کہ کوئی تجویز تمہارے لئے قابل قبول ہوگی۔

اللہ کے رسولؐ نے فرمایا۔ ابوالولید کہو میں ہمہ تن گوش ہوں عتبہ نے کہا:

بھتیجے اول: اگر تم اپنے لائے ہوئے طریقہء عبادت اور دین کے ذریعہ مال و دولت کے طالب ہو تو ہم تمہیں اس قدر مال و دولت اکٹھا کر کے دینے کے لئے تیار ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ گے۔

دوم: اگر تم عزت و شہرت کے طالب ہو ہم تمہیں اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں قوم کا کوئی فیصلہ تمہاری مرضی کے بغیر نہیں ہوگا۔

سوم: اگر تم بادشاہت کے طالب ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہیں۔

چہارم: اگر تم کسی جن کے زیر اثر آکر یا آسیب کا شکار ہونے کی بنیاد پر ایسی باتیں کر رہے ہو تو ہم معالجین

فراہم کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں مال و دولت خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرینگے تاکہ تم پوری طرح صحت یاب ہو جاؤ۔

جب عتبہ اپنی بات مکمل کر چکا تو آپؐ نے فرمایا: تمہیں جو کچھ کہنا تھا تم نے کہہ دیا:

عتبہ جی ہاں

آپؐ: اب میری بات سنو!

آپ نے سورۂ فصلت کی آیات سجدہ تک تلاوت کی جب آیت سجدہ آئی تو سجدہ کیا۔ اس دوران عتبہ کلام ربانی مکمل طور پر خاموشی اور انہماک کے ساتھ پشت پر ہاتھ ٹیکے ہوئے سنتا رہا۔ تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا ابوالولید (یہ کلام ربانی تھا) جو تم نے سن لیا۔ اب تمہیں جو بہتر معلوم ہو وہ کرو۔

جب عتبہ لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو لوگ پکار اٹھے ہم قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ چہرہ نہیں جس چہرے کے ساتھ تم محمدؐ کے پاس گئے تھے پھر بتاؤ کیا خبر ہے؟

عتبہ: میں نے ایک (ایسا انوکھا اور پر اثر) کلام سنا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم، اے گروہ قریش! اس کلام کی خوبی یہ ہے کہ نہ تو وہ شعر ہے نہ ہی سحر، نہ تو کہانت اور نہ ہی علم نجوم (اس کلام کی اثر انگیزی نا قابل بیان ہے)

اب میری ایک بات مانو اس صاحب کو نہ چھیڑو بلکہ اسکو اسکے حال پر چھوڑ دو۔ یہ سن کر کفار مکہ بھڑک اٹھے اسے برا بھلا کہا اور کہنے لگے۔ بخدا اسکی زبان کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے عتبہ نے کہا: میں نے اپنی رائے دے دی اب تمہاری مرضی جو جی میں آئے کرو۔ (۱۳)

اثرات ونتائج

(۱) عتبہ کی اس سفارتکاری اور اسکی مختلف پیش کشوں کو رسول اللہؐ کے ٹھکرانے سے قریش کے سامنے یہ واضح ہوگیا کہ محمدؐ پر کسی قسم کے لالچ کا وار کارگر نہیں ہوسکتا۔

(۲) رسول اللہؐ جو کلام سناتے ہیں وہ نہ تو شعر ہے نہ ہی سحر نہ تو کہانت ہے نہ ہی علم نجوم

(۳) رسول اللہؐ کسی دنیاوی سیادت وقیادت کی طمع میں مبتلا نہیں ہیں انکا مقصدِ حیات پیغام حق کی دعوت وتبلیغ ہے۔

(۴) رسول اللہؐ کی یہ تبلیغ دین اور دین اسلام کی نشر واشاعت کا جذبہ ضرور بہ ضرور دین اسلام کے غلبہ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا طفیل بن عمرو دوسی سے مکالمہ

قبیلہ دوس کے سردار طفیل بن عمرو مکہ آئے (یہ ان دنوں کی بات ہے جب قریش مکہ ہر زائر کعبۃ اللہ کو آپؐ سے دور رکھنے کی تگ ودو میں مصروف تھے) چنانچہ قریش نے طفیل بن عمرو کو آپؐ سے اس قدر ڈرایا کہ طفیل نے یہ فیصلہ کرلیا کہ بخدا میں محمدؐ کی کوئی بات بھی نہیں سنوں گا بلکہ ان سے کوئی بات بھی نہیں کروں گا یہاں تک کہ حرم شریف جاتے ہوئے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی (لیکن اللہ

کی مرضی و منشا کچھ اور ہی تھی)۔ چنانچہ طفیل بن عمرو بیان کرتے ہیں: جب میں حرم کعبہ میں داخل ہوا اور میری نگاہ اٹھی تو دیکھا کہ رسول اللہ کعبہ شریف میں حالت نماز میں ہیں اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ میں نا چاہتے ہوئے بھی آپؐ کے پاس کھڑا ہو گیا اور اللہ کے منشا سے کلام ربانی بھی سن لیا یقیناً وہ احسن الکلام تھا جسے میں نے سنا اب افسوس ہونے لگا کہ اچھا کلام کہنے اور سن کر اچھے کلام کو شناخت کرنے کی اہلیت کے ہوتے ہوئے آخر کس چیز نے مجھے اس سے روکا۔ اگر محمدؐ کی بات واقعتاً اچھی اور عمدہ ہے تو قبول کرلوں گا ورنہ ترک کردوں گا۔

آخر طفیل آپؐ کے گھر میں ملاقات کے لئے پہنچ گئے اور اپنی داستان کہہ سنائی (۱۴) ابن ہشام آگے تحریر کرتے ہیں:

> فعرض علیّ رسول اللہ الاسلام و تلا علی القرآن فلا واللہ ماسمعت قولاً قط احسن منہ ولا امراً اعدل منہ قال اسلمت و شھدت شھادۃ الحق (۱۵)
>
> ''پھر اللہ کے رسولؐ نے مجھے اسلام کی دعوت دی، قرآن حکیم کی تلاوت فرمائی، اللہ کی قسم میں نے پہلے کبھی نہ تو اس سے عمدہ کلام سنا تھا۔ اور نہ ہی اس سے بڑھ کر مبنی بر عدل کوئی حکم سنا تھا اس لئے میں دامن اسلام میں داخل ہو گیا اور پیغام حق کی گواہی دے ڈالی۔''

اثرات ونتائج:

۱۔ کفار قریش قبیلہ دوس کے اہم ستون اور انکے سردار کو اسلام کی دعوت حق سے دور رکھنے میں ناکام ہو گئے۔

۲۔ رسول اللہ کو اللہ رب العزت نے ایک اور فتح سے نوازا۔

۳۔ دعوت دین صرف طفیل بن عمرو تک محدود نہ رہی بلکہ پورا قبیلہ دوس دعوت اسلام کی سچائی تسلیم کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ (۱۶)

۴۔ طفیل بن عمرو کی صورت میں دین اسلام کا ایک پر جوش داعی تبلیغ اسلام کے مشن کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف عمل ہو گیا۔

۵۔ دین اسلام کی شمع قریش کے سوا دوسرے قبائل عرب میں بھی روشن ہونے لگی۔

اہل یثرب کے قبول اسلام کا آغاز

ایام حج میں مکہ مکرمہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوجایا کرتے تھے آپؐ نے اس موقع کو دین اسلام کے فروغ اور اسکی آبیاری کے لئے غنیمت جانا۔ عقبہ کے پاس قبیلہ خزرج کے کچھ افراد سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے انکے سامنے قرآن کی آیات کی تلاوت کی۔ انہیں دعوت حق دی اور حلقہ اسلام میں داخل ہونے کی پیشکش کی۔ یہ لوگ مدینہ طیبہ میں یہود کے قرب و جوار میں رہتے تھے اور یہود سے یہ خبر سنتے رہتے تھے کہ زمانہ قریب میں کوئی نبی آنے والا ہے۔

(آپؐ سے پیغام اسلام سن کر) یہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے خدا کی قسم! یہ یقیناً وہی نبی ہیں جنکی خبر یہود کے ذریعہ معلوم ہوتی رہی تھی۔(۱۷) اس کے بعد ان لوگوں نے فوراً ہی آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا۔ پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہم جس قوم سے تعلق رکھتے ہیں فساد اور انتشار وافتراق اس قوم سے زیادہ کسی اور میں نہیں ہے ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالی اس قوم کو متحد فرما دیں گے۔ ہم اپنے شہر کو لوٹ کر دین اسلام کی دعوت دیں گے آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ انہیں بھی وہی پیغام دین دیں جسے ہم نے قبول کیا ہے۔ اگر اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ ان میں اتحاد واتفاق پیدا کردیا تو آپؐ سب سے زیادہ عزت وعظمت والے بن جائیں گے(۱۸)

نور ایمان سے فیضیاب ہونے کے بعد یہ حضرات اپنے شہر یثرب پہنچے تو دوسروں تک رسول اللہؐ کا ذکر خیر اور دین اسلام کی دعوت پہنچائی اہل یثرب بڑے خوش نصیب تھے کہ ان میں خوب اشاعت اسلام ہوئی اور انصار کے گھروں میں ذکر خیر الانامؐ ہونے لگا۔(۱۹)

بیعت عقبہ اولیٰ

جب دوسرے سال حج کا موقع آیا تو اہل مدینہ میں سے بارہ خوش نصیب افراد نے آپؐ سے عقبہ میں بیعت کی۔ اس واقعہ کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے ان لوگوں نے چوری، زنا، قتل اولاد سے اجتناب معروف کی اطاعت اور عقیدہ توحید پر ایمان کی بیعت کی جب یہ واپس ہونے لگے تو آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیر ؓ کو اس ہدایت کے ساتھ ان کے ساتھ روانہ کیا کہ قرآن پاک پڑھائیں مسائل دین اور تعلیم اسلام سے روشناس کرائیں یہ حضرت اسعد بن زرارہؓ کے ہاں مہمان رہے اور وہاں امامت کے فرائض بھی ادا کرتے رہے انہیں خدمات کی بناء پر انہیں مقری (پڑھانے والا) کہا جاتا

تھا(۲۰)

بیعت عقبہ ثانیہ:

پھر دوسرے سال جب حج کا موسم شروع ہوا تو حضرت معصب بن عمیرؓ انصار کی دو خواتین سمیت تہتر افراد کو مکہ مکرمہ آنیوالی ایک جماعت کے ساتھ لے کر مکہ آئے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد وعدے کے مطابق ایک تہائی رات گزرنے پر عقبہ کے پاس آپؐ سے ملاقات کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ (جو اگر چہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) بھی موجود تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے انصار سے گفتگو فرمائی۔ آیات الٰہی (کے ذریعہ پیغام الٰہی) سنایا اور اللہ کے پیارے دین کو قبول کرنے کی پیشکش کی۔ اسکے بعد ان نفوس قدسیہ سے ایک اور اہم بیعت لی اس سلسلہ میں فرمایا ''میں تم سے اس اہم امر پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری حفاظت ونگہبانی میں (اپنا تن من دھن سے) اسی طرح قربان کرنے کو تیار رہو گے جس طرح اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں قربانی کے لئے تیار رہتے ہو'' ان لوگوں نے بیعت کی

پھر آپؐ سے یہ عہد لیا کہ آپؐ کسی صورت میں نہ تو انہیں بے یارو مددگار چھوڑیں گے اور نہ اپنی قوم کی جانب مکہ مکرمہ واپس لوٹیں گے اس وقت آپ مسکرائے اور فرمایا۔

بل الدم الدم و الهدم الهدم انا منكم و انتم منی احارب من حاربتم و اسالم من سالمتم (۱۲)

''جہاں تم جان کا نذرانہ پیش کرو گے میں بھی جان کا نذرانہ پیش کروں گا جب تم معاف کردو گے میں بھی معاف کردوں گا میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو تم جس سے جنگ کرو گے میں بھی اس سے جنگ کروں گا''۔

اثرات ونتائج:

۱) بیعت عقبہ اولیٰ پھر بیعت عقبہء ثانیہ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کی قسمت کا دروازہ کھول دیا یہ لوگ حبیب کبریاؐ اور ان کے جانثار مہاجر صحابہ کے مددگار بن گئے اس طرح یہ بیعت ان کی عظمت کا نقش اول ثابت ہوئی۔

۲) پیغمبر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نشرو اشاعت اور استحکام کے لئے ایک مستحکم علاقہ فراہم کر دیا۔

۳)　یثرب نہ صرف مدینہ النبیؐ بن گیا بلکہ اسے مرکز اسلام کی حیثیت حاصل ہوگئی

۴)　کائنات کی مقدس ترین ہستی نے یثرب کو دار ہجرت قرار دے کر اس شہر اور اسکے مکینوں کو عظمت و بزرگی عطا کردی۔

۵)　دشمنان اسلام کی ساری سازشیں ملیامیٹ ہوگئیں

۶)　آنے والے وقت نے یہ ثابت کردیا کہ کفار مکہ جنہیں اپنی طاقت پر بڑا بھروسہ تھا ان کی طاقت اور انکا گھمنڈ مٹی کا گھروندا ثابت ہوئی۔ اور مدینۃ النبی میں پروان چڑھنے والے انقلاب نے انکے غرور کا سر پاش پاش کردیا۔

رؤساء طائف سے رسول اللہ کا مکالمہ:

ابو طالب کے انتقال کے بعد آپؐ طائف گئے تا کہ بنی ثقیف سے مدد لیں اور وہ آپؐ کو آپؐ کی قوم والوں سے بچائیں۔ اس غرض کے لئے آپؐ تنہا تشریف لے گئے تھے طائف پہنچ کر آپؐ بنی ثقیف کے چند آدمیوں سے ملنے گئے جو اس وقت ثقیف کے سادات اور اشراف تھے۔ یہ تینوں بھائی تھے، عبد یالیل بن عمرو بن عمیر، مسعود بن عمرو بن عمیر اور حبیب بن عمرو بن عمیر اور ان کے ہاں قریش کے بنی جمح کی ایک عورت تھی، آپؐ ان کے پاس جا کر بیٹھے اور ان کو اللہ کی دعوت دی اور آنے کی غرض بیان کی کہ تم اسلام کے لئے میری مدد کرو اور میری قوم کے مقابلہ پر جو میرے مخالف ہیں میرا ساتھ دو۔ ان میں سے ایک نے جو غلاف کعبہ بٹ رہا تھا کہا کیا آپ کو اللہ نے نبی مرسل کیا ہے؟ دوسرے نے کہا تمہارے سوا کوئی اور اللہ کو رسالت کے لئے نہ ملا۔ تیسرے نے کہا میں تم سے ایک بات بھی نہیں کرتا کیونکہ اگر واقعی جیسا کہ تم کہتے ہو رسول ہو تو تمہاری بات کی تردید کرنے میں نہایت درجہ خطرہ ہے اور اگر تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو اور اللہ پر افترا کرتے ہو تم اس قابل نہیں کہ میں تم سے کلام کروں۔ رسول اللہ صلعم ان کے پاس سے اٹھ آئے اور آپؐ ثقیف کی طرف سے مایوس ہوگئے (۲۲) چلتے ہوئے آپؐ نے ان سے کہا تھا کہ تم نے میری بات نہیں مانی مگر کم از کم میرے یہاں آنے کو ظاہر نہ کرنا۔ آپؐ اس بات کو پسند نہی کرتے تھے کہ اس کا چرچا آپ کی قوم تک پہنچے اور وہ آپؐ کی اس ناکامی پر بغلیں بجائیں۔ اور طعنہ دیں، مگر ان بھائیوں نے اسے بھی نہ مانا بلکہ اپنے یہاں کے و اراذل اور غلاموں کو آپ ﷺ کے خلاف اکسایا۔ انہوں نے آپ کو گالیاں دیں اور آوازیں لگائے، یہاں تک کہ ایک جماعت آپؐ پر چڑھ آئی اور اس نے آپ کو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے احاطہ

میں چھپنے پر مجبور کر دیا، وہ دونوں وہاں موجود تھے۔ اب ثقیف کے وہ سفہاء جو آپ ؐ کے تعاقب میں آئے تھے آپ کا پیچھا چھوڑ کر پلٹ گئے۔ آپ انگور کے ایک منڈوے کی طرف چلے اور اس کے سایہ میں بیٹھ گئے وہ دونوں بھائی آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اور سفہائے ثقیف نے جو بد تہذیبیاں آپ ؐ کے ساتھ کیں اس کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بنی جمح کی اس عورت سے بھی جو وہاں بیاہی گئی تھی آپ ؐ کی ملاقات ہوئی تھی اور آپ ؐ نے اس سے کہا دیکھو تمہارے سسرال والوں نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

حضرت محمد ﷺ کی دعا:

جب آپ کو ذرا اطمینان ہوا۔ آپ ؐ نے دعا کی۔ ''خداوندا میں اپنی کمزوری اور لوگوں کے مقابلہ میں اپنی مجبوری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے تو مجھے کس کے سپرد کرتا ہے، کسی اجنبی کے جو مجھ پر ظلم کرے یا تو نے میرے معاملہ کو کسی دشمن کے حوالے کر دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو ان مصائب کی میں پروہ نہیں کرتا تیری حمایت میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیرے اس نور کا واسطہ دے کر جس سے تمام تاریکیاں روشن ہوگئی ہیں اور جس پر دنیا اور آخرت میں کامیابی کا مدار ہے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تیرا غصہ اور غضب مجھ پر نازل ہو۔ بے شک تجھے جب تک تو چاہے عتاب کرنے کا حق ہے اور ہر قسم کی طاقت اور قوت صرف تجھے حاصل ہے (۲۳)

عداس نصرانی غلام کا رسول اللہ ؐ سے مکالمہ:

جب ربیعہ کے بیٹیوں عتبہ اور شیبہ نے آپ کو اس مجبوری کی حالت میں دیکھا ان کے جذبات ہمدردی اور رحم میں حرکت ہوئی انہوں نے اپنے ایک نصرانی غلام عداس کو بلایا اور اس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ لے کر اس طباق میں اسے رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ اسے کھالے۔ عداس حکم کی بجا آوری میں انگور لے کر رسول ؐ اللہ کے پاس آیا اور اس نے ان کو آپ ؐ کے سامنے رکھ دیا۔ رسول اللہ ؐ نے طباق میں ہاتھ ڈالتے وقت بسم اللہ کہا اور پھر انگور کھانے لگے۔ عداس نے آپ ؐ کے چہرہ کو دیکھا اور کہا بخدا اس جملہ کو اس شہر کے باشندے نہیں بولتے۔ رسول اللہ ؐ نے اس سے پوچھا عداس تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا باشندہ ہوں آپ ؐ نے فرمایا چھا تم اس نیک شخص یونس بن متی کے ہم وطن ہو۔ اس نے کہا آپ کیا جانیں کہ یونس بن متی کون تھا؟ آپ ؐ نے فرمایا وہ میرے بھائی اور نبی تھے میں بھی نبی ہوں یہ سن کر وہ

جھکا اور اس نے آپؐ کے فرق مبارک اور ہاتھ پاؤں کو چوما۔ دونوں بھائیوں میں ایک نے دوسرے سے کہا کہ دیکھو تمہارے غلام نے اس شخص کو تمہارے لئے بگاڑ دیا۔ جب عداس پلٹ کر ان کے پاس آیا انہوں نے اس سے کہا عداس یہ تمہاری کیا حرکت تھی کہ تم اس شخص کے سر اور ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگے۔ اس نے کہا اے میرے آقا اس شخص سے بہتر روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہے اس نے ایسی بات بتائی جو صرف نبی جانتا اور بتا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا عداس مبادا وہ تم کو تمہارے دین سے منحرف کر دے تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ (۲۴)

اثرات ونتائج:

(۱) ظاہری طور پر تو اس سفر نے اللہ کے رسول کو سخت ذہنی و جسمانی کرب و اذیت سے دو چار کیا لیکن محمد رسول ﷺ ان حالات میں بھی اپنے عمل سے زبردست اثرات مرتب کر گئے۔

(۲) مشن نبوت و رسالت کی تکمیل کے لئے ذہنی و جسمانی اذیتیں اس کوہ استقامات میں ذراسی جنبش پیدا نہیں کر سکیں۔

(۳) رسول اللہؐ نے ہر حال میں صرف رب تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنے کے عزم کا اظہار کیا۔

(۴) یہ ذہنی وجسمانی اذیتیں بھی ظالموں کے لئے بد دعا پر مجبور نہیں کر سکیں۔

(۵) ان اذیتوں نے پیکر استقامت کو نیا ولولہ عطا کیا اور آپ نے مزید جوش و جذبہ کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

(۶) بدترین بدسلوکی کے باوجود بھی آپؐ نے اپنی دعا میں فرمایا (میں اہل طائف کو پہاڑوں کے درمیان پیس دینے کی بد دعا نہیں کروں گا بلکہ) ''مجھے امید ہے کہ انکی اولاد میں سے کوئی ایسا پیدا ہوگا جو خدائے واحد کی عبادت کریگا اور اسکے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہ ٹھہرائے گا۔ آپؐ نے اس دعا کے ذریعہ اہل طائف کو ایسا نوازا کہ برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی آبیاری کی عظیم نعمت سرزمین طائف کے ایک نوجوان محمد بن قاسم کو حاصل ہوئی۔

(۷) جب رسولؐ اللہ نے اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کا اقرار و اظہار کیا اور خالق کائنات

کے سامنے اپنی فریاد پیش کی تو رب العالمین نے اپنے حبیبؐ کی اس طرح لاج رکھی کہ اس کے بعد تیزی کے ساتھ فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا پہلے مدینہ طیبہ کی صورت میں مسلم سلطنت کی بنیاد پڑ گئی پھر آنے والے چند سالوں میں سارے جزیرہ عرب کے کفار کو آپکے در پہ غلام بنا کر پیش کر دیا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سفر طائف میں پہنچنے والے ذہنی و جسمانی زخموں کو مندمل کرنے کا ایسا عظیم الشان انتظام فرمایا کہ جسکی نظیر تاریخ کائنات پیش کرے سے قاصر ہے اور وہ ہے رسول اللہ کا سفر معراج یعنی ساتوں آسمانوں کی سیر جنت و جہنم کا مشاہدہ مقامات قرب و اختصاص کی نوازش۔ کیونکہ یہ ضیافت ربانی کی اعلیٰ ترین صورت تھی۔

(۹) اس طرح یہ واقعہ رسول اللہؐ کی شخصیت کا صحیح تعارف تھا اور اسکی صحیح نشاندہی، آپ ﷺ کی امامت و قیادت کا بیان آپؐ کی اس امت (جس میں آپؐ مبعوث ہوئے) کے اصل مقام و حیثیت عرفی کا تعین اور اس پیغام و دعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے جو اس امت کو اس وسیع و عریض دنیا اور عالمی برادری میں سر انجام دینا ہے۔(۲۵)

صلح حدیبیہ:

عہدِ رسالت کا وہ اہم معاہدہ جسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے ہاتھوں اہل ایمان کے لئے فتح و نصرت کے دروازے کھول دیئے اس سلسلے میں ہونے والے مکالمے، مذاکرات ،دفعات صلح اور اثرات نتائج بڑے اہمیت کے حامل ہیں۔

دفعات صلح:

بہر حال قریش نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر لی، لہٰذا جھٹ سہیل بن عمرو کو معاملات صلح طے کرنے کے لئے روانہ کیا اور یہ تاکید کر دی کہ صلح میں لازماً یہ بات طے کی جائے کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ عرب یہ کہیں کہ آپؐ ہمارے شہر میں جبراً داخل ہو گئے۔ ان ہدایات کو لے کر سہیل بن عمرو آپ کے پاس حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے اسے آتا دیکھ کر صحابہ کرام سے فرمایا تمہارا کام تمہارے لئے سہل کر دیا گیا۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں سہیل نے آپ کے پاس پہنچ کر دیر تک گفتگو کی اور بالآخر طرفین میں صلح کی دفعات طے ہو گئیں جو یہ تھیں۔

۱) رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس جائیں گے۔ اگلے سال مسلمان مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ سوار کا ہتھیار ہوگا۔ میانوں میں تلواریں ہوں گی اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۲) دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے اس عرصے میں لوگ مامون رہیں گے کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

۳) جو محمدؐ کے عہد و پیان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے عہد و پیان میں داخل ہونا چاہے داخل ہو سکے گا۔ جو قبیلہ جس فریق میں شامل ہوگا اس فریق کا ایک جزو سمجھا جائے گا۔ لہٰذا ایسے کسی قبیلے پر زیادتی ہوئی تو خود اس فریق پر زیادتی متصور ہوگی۔۔

۴) قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر۔ یعنی بھاگ کر۔ محمدؐ کے پاس جائے گا محمدؐ اسے واپس کردیں گے لیکن محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو شخص۔ پناہ کی غرض سے بھاگ کر۔ قریش کے پاس آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا کہ تحریر لکھدیں اور یہ املا کرایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا۔ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ یوں لکھیئے باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے) نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ یہی لکھو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ املا کرایا یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسولؐ نے مصالحت کی۔ اس پر سہیل نے کہا اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ جنگ کرتے لہٰذا آپ محمد بن عبداللہ لکھو آپؐ نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ پھر حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ محمد بن عبداللہ لکھیں اور لفظ رسول اللہ۔ مٹا دیں۔ لیکن حضرت علی نے گوارا نہ کیا کہ اس لفظ کو مٹائیں۔ لہٰذا نبیؐ نے خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد پوری دستاویز لکھی گئی۔

پھر جب صلح مکمل ہوچکی تو بنوخزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیان میں داخل ہوگئے۔ یہ لوگ درحقیقت عبدالمطلب کے زمانے ہی سے بنو ہاشم کے حلیف تھے، اس لئے اس عہد و پیان میں داخلہ درحقیقت اس قدیم حلف کی تاکید اور پختگی تھی۔ دوسری طرف بنوبکر قریش کے عہد و پیان میں داخل ہوگئے۔ (۲۶)

صلح کی دفعات کا حاصل:

یہ ہے صلح حدیبیہ جو شخص اس کی دفعات کا ان کے پس منظر سمیت جائزہ لے گا اسے کوئی شبہ نہ رہے گا کہ یہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی۔ کیونکہ قریش نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور انہیں نیست و نابود کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے۔ انہیں انتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ قوت دم توڑ دے گی۔ اس کے علاوہ قریش جزیرۃ العرب کے دینی پیشوا اور دنیاوی صدر نشین ہونے کی حیثیت سے اسلامی دعوت اور عام لوگوں کے درمیان پوری قوت کے ساتھ حائل رہنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ اس پس منظر میں دیکھئے تو صلح کی جانب محض جھک جانا ہی مسلمانوں کی قوت کا اعتراف اور اس بات کا اعلان تھا کہ اب قریش اس قوت کو کچلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر تیسری دفعہ کے پیچھے صاف طور پر یہ نفسیاتی کیفیت کارفرما نظر آتی ہے کہ قریش کو دنیاوی صدر نشینی اور دینی پیشوائی کا جو منصب حاصل تھا اسے انہوں نے بالکل بھلا دیا تھا اور اب انہیں صرف اپنی پڑی تھی۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا کہ بقیہ لوگوں کا کیا بنتا ہے۔ یعنی اگر سارے کا سارا جزیرۃ العرب حلقہ بگوش اسلام ہو جائے تو قریش کو اس کی کوئی پروا نہیں اور وہ اس میں کسی قسم کی مداخلت نہ کریں گے۔ کیا قریش کے عزائم اور مقاصد کے لحاظ سے یہ ان کی شکست فاش نہیں ہے؟ اور مسلمانوں کے مقاصد کے لحاظ سے یہ فتح مبین نہیں ہے۔ آخر اہل اسلام اور اعدائے اسلام کے درمیان جو خونریز جنگیں پیش آئی تھیں ان کا منشاء اور مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ عقیدے اور دین کے بارے میں لوگوں کو مکمل آزادی اور خود مختاری حاصل ہو جائے۔ یعنی اپنی آزاد مرضی سے جو شخص چاہے مسلمان جو چاہے کافر رہے کوئی طاقت ان کی مرضی اور ارادے کے سامنے روڑا بن کر کھڑی نہ ہو۔ مسلمانوں کا یہ مقصد تو ہرگز نہ تھا کہ دشمن کے مال ضبط کئے جائیں۔ انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے اور انہیں زبردستی مسلمان بنایا جائے یعنی مسلمانوں کا مقصود صرف وہی تھا جسے علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی!

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس صلح کے ذریعہ مسلمانوں کا مذکورہ مقصد اپنے تمام اجزاء اور لوازم سمیت حاصل ہو گیا اور اس طرح حاصل ہو گیا کہ بسا اوقات جنگ میں فتح مبین سے ہمکنار ہونے کے باوجود حاصل نہیں ہو پاتا۔ پھر اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی چنانچہ مسلمان افواج کی تعداد جو اس صلح سے پہلے تین ہزار سے زائد کبھی نہ

ہوسکی تھی وہ محض دو سال کے اندر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار ہوگئی۔ (۲۷)

جہاں تک مسلمانوں کی طلایہ گردیوں اور فوجی گشتوں کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا مقصود ان سے صرف یہ تھا کہ قریش اپنے احمقانہ غرور اور اللہ کی راہ سے روکنے سے باز آجائیں اور مساویانہ بنیاد پر معاملہ کرلیں۔ یعنی ہر فریق اپنی اپنی ڈگر پر گامزن رہنے کے لئے آزاد رہے۔ اب غور کیجئے کہ دس سالہ جنگ بند رکھنے کا معاہدہ آخر اس غرور اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ سے باز آنے ہی کا تو عہد ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جنگ کا آغاز کرنیوالا کمزور اور بے دست و پا ہو کر اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔

جہاں تک پہلی دفعہ کا تعلق ہے تو یہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی ناکامی کے بجائے کامیابی کی علامت ہے کیونکہ یہ دفعہ درحقیقت اس پابندی کے خاتمے کا اعلان ہے جسے قریش نے مسلمانوں پر مسجد حرام میں داخلے سے متعلق عائد کررکھی تھی۔ البتہ اس دفعہ میں قریش کے لئے بھی تشفی کی اتنی سی بات تھی کہ وہ اس ایک سال مسلمانوں کو روکنے میں کامیاب رہے مگر ظاہر ہے کہ یہ وقتی اور بے حیثیت فائدہ تھا۔

اس کے بعد اس صلح کے سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو یہ تین رعایتیں دیکر صرف ایک رعایت حاصل کی جو دفعہ ۲ میں مذکور ہے لیکن یہ رعایت حد درجہ معمولی اور بے وقعت تھی اور اس میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک مسلمان مسلمان رہے گا اللہ رسول اور مدینتہ اسلام سے بھاگ نہیں سکتا۔ اس کے بھاگنے کی صرف ایک ہی صورت ہوسکتی ہے کہ وہ مرتد ہوجائے خواہ ظاہراً خواہ در پردہ اور ظاہر ہے کہ جب مرتد ہوجائے تو مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں بلکہ اسلامی معاشرے میں موجودگی سے کہیں بہتر ہے کہ وہ الگ ہوجائے۔ (۲۸)

باقی رہے مکے کے وہ باشندے جو مسلمان ہوچکے تھے یا مسلمان ہونے والے تھے تو ان کے لئے اگرچہ اس معاہدے کی رو سے مدینہ میں پناہ گزین ہونے کی گنجائش نہ تھی لیکن اللہ کی زمین تو بہر حال کشادہ تھی۔ کیا حبشہ کی زمین نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش وا نہیں کردی تھی۔ جب مدینہ کے باشندے اسلام کا نام بھی نہ جانتے تھے؟ اسی طرح آج بھی زمین کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے اپنی آغوش کھول سکتا تھا۔ (۲۹)

پھر اس قسم کے تحفظات سے اگرچہ بظاہر قریش نے عزو وقار حاصل کیا تھا مگر یہ درحقیقت قریش کی سخت نفسیاتی گھبراہٹ پریشانی، اعصابی دباؤ اور شکستگی کی علامت ہے اس سے پتا چلا کہ انہیں

اپنے بت پرست سماج کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا اور وہ محسوس کررہے تھے کہ ان کا یہ سماجی گھروندا ایک کھائی کے ایسے کھوکھلے اور اندر سے کٹے ہوئے کنارے پر کھڑا ہے جو کسی بھی دم ٹوٹ کر گرنے والا ہے لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے اس طرح کے تحفظات حاصل کرلینا ضروری ہیں۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جس فراخدلی کے ساتھ یہ شرط منظور کی کہ قریش کے یہاں پناہ لینے والے کسی مسلمان کو واپس نہ طلب کریں گے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو اپنے سماج کی ثابت قدمی اور پختگی پر پورا اعتماد تھا اور اس قسم کی شرط آپؐ کے لئے قطعاً کسی اندیشے کا سبب نہ تھی۔ (۳۰)

صلح حدیبیہ کے اثرات ونتائج:

۱) کفار مکہ کے سفارتکار سہیل نے اس صلح نامہ کے متن میں دو اعتراض کیئے (اول یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھی جائے دوئم یہ ہے محمد رسول اللہ نہیں لکھا جائے بلکہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ آپ نے کمال بردباری کا مظاہرہ کیا اور یہ الفاظ صلح نامہ حدیبیہ کے متن سے خارج کروادیئے۔

۲) ابو جندلؓ بن سہیل جو صلح حدیبیہ کی تحریر کے وقت کسی طرح کفار کے شکنجہ سے چھوٹ کر مسلمانوں کے پاس آگئے تھے۔ اور آپ کی پناہ کے طالب تھے آپؐ نے تحمل کی زبردست مثال قائم کر کے اپنے اس جانثار صحابی کو واپس کردیا۔

۳) قرآن حکیم کی سورۂ فتح میں اس واقعہ کو فتح مبین فرمایا اور بعد کے حالات وواقعات اس پر شاہد وعادل بن گئے۔

۴) اس کے بعد فتح خیبر کا موقع آگیا جو اس فتح مبین کا تتمہ ہے۔

۵) اس صلح میں دس سال تک جنگ بندی کا اعتراف یقیناً قریش مکہ کی جانب سے اعتراف شکست تھا کیونکہ یہ لوگ ہر دفعہ جنگ کے شعلے بھڑکانے کا اصل محرک بنتے تھے۔

۶) بنوخزاعہ جو آپؐ کے دادا عبدالمطلب کے زمانے میں بنو ہاشم کا حلیف تھا وہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا اس طرح بنوخزاعہ نے آپ کو بنو ہاشم کا سردار، نمائندہ اور ترجمان تسلیم کرلیا۔

۷) صلح نامہ کے لئے تیار ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کو برابر کی طاقت تسلیم کرلیا۔

۸) اس صلح نامہ کی رو سے قبائل عرب کو مسلمانوں یا قریش میں سے کسی ایک کا حلیف بن

جانے کی اجازت اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ اب مسلمان ایک ایسی طاقتور قوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جو اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے کے دنیاوی مفادات کا تحفظ بھی کر سکتے ہیں۔

۹) دس سال تک جنگ بندی کی شرط سے یہ بات ثابت ہوگئی تھا کہ اب قریش دس سال تک جنگ کرنے کے قابل نہیں رہے۔

۱۰) سورۃ فتح میں اللہ تعالی نے مسلمانوں سے عمرے کا وعدہ فرما کر اللہ کے رسولؐ کے خواب کی حقانیت بذریعہ وحی الہی ثابت کردی۔

۱۱) سورۃ فتح میں رسول اللہ کے عمرہ اور دین اسلام کے غلبے کا ذکر اس امر کا بین ثبوت ہے کہ اللہ تعالی آپ کے عمرہ کو دین حق کے غلبے اور سربلندی کی علامت کے طور پر منظر عام پر لانا چاہتا تھا اور یقیناً اللہ کا کلمہ غالب و سربلند ہوکر رہا۔

۱۲) صحابہء کرام اپنے آقا محمد رسول ﷺ کے اخلاق حسنہ سے ہر لمحہ ہر آن تربیت کے اعلی مدارج طے کررہے تھے اس صلح نامہ کے بعد ظاہر ہونے والی فتوحات جیسے فتح خیبر فتح مکہ، فتح طائف درحقیقت اصحاب رسولؐ کی اسی تربیت اخلاق اور اخلاق حسنہ سے متصف ہو جانے کی علامت تھیں۔ کیونکہ وہ جس قدر اخلاقی تربیت کے مدارج طے کرتے اسی قدر فتوحات کی صورت میں دنیا ان کے زیرنگیں ہوتی چلی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آخر دنیا کی نعمتیں ان کے آگے سنگریزوں کی طرح بچھ گئیں لیکن انہوں نے دنیا کو ہمیشہ اپنی ٹھوکر پر رکھا۔

۱۳۔ سورۃ فتح کے آخر میں ”والذین معه اشداءُ علی الکفار رحماء بینهم“ کے مبارک کلمات یہ

بیان کررہے تھے کہ اصحاب محمدؐ آپس میں شیر وشکر اور ریشم کی طرح نرم وگذار جبکہ اہل کفر کے سامنے فولاد کی سی سختی کے حامل تھے جو انکے قوت ایمانی کی دلیل ہے صحابہ کرام کے وصف کو اللہ تعالیٰ نے فتح مبین کے ساتھ بیان کر کے ان کے مدارج علیاء کی جانب اشارہ فرمادیا ہے۔

۱۴۔ ”تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من الله و رضوانا“: کے کلمات ربانی ،اصحاب رسول کے رکوع وسجود کی قوت وطاقت اور اللہ کے فضل وانعام کی جانب مشیر

ہیں کیونکہ بغیر اللہ کے فضل و کرم کے فتح مبین ممکن نہیں ہوسکتی۔

(۱۵) سورۃ فتح میں "**سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود**" کے کلمات میں نشان سجود کی حسن و رعنائی کو بڑے دلنشین پیرائے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اعمال براور تقویٰ وطہارت چہرے سے جھلکنے لگے تو سمجھ لو کہ یہی اللہ کی زمین پر حقیقی وارث اور حقیقی خلیفۃ اللہ ہیں اور فتح مبین انہی کا مقدر ہے۔

(۱۶) پھر فرمادیا **ذلك مثلھم فی التورۃ و مثلھم فی الانجیل** نبی اطہرؐ اور صحابہ کرام کے یہ نشانات سجود توریت وانجیل میں بیان کئے جاچکے ہیں جنہیں بد باطن لوگوں نے تحریف کے چور دروازے سے حذف کردیا ہے۔

(۱۷) آگے ارشاد فرمایا: "**کزرع اخرج شطئه فآزرہ فاستغلظ فاستویٰ علی سوقه یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار**" سورۃ فتح کی آخری آیت کے یہ کلمات ایک تمثیل کی صورت میں ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے فیضان تربیت میں پروان چڑھنے اور ایک ننھی ونرم ونازک سی کونپل سے تدریجی مدارج طے کرتے کرتے اصحاب محمد عربی کا ایک مضبوط وتناور درخت کی طرح اور ثمر آور کھیتی کی طرح قوت وطاقت سے ہمکنار ہو جانے کو بیان کیا گیا ہے۔ اور اخلاقی، دینی و روحانی طور پر تنومند ایسی ہی جماعت فتح مبین کی حقیقی حقدار ہوسکتی ہے۔

(۱۸) اس صلح نامہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لئے بھی فتح مبین قرار دیا کہ اب تاریخ کا دھارا اور فتح ونصرت کا راستہ سیدھے دین اسلام کے در پر حاضری دینے والا تھا۔

(۱۹) صلح نامہ حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے دین اسلام کے غلبے کی صورت گری شاہان عالم اور والیان سلطنت کے نام خطوط ارسال فرما کر اللہ کے دین کی عالمگیریت کا اعلان فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایسی غیبی فتوحات سے نوازا کہ بڑے بڑے فاسق وفاجر اور متکبرین بھی بالآخر سر اطاعت خم کردینے پر مجبور ہوگئے۔

ا۔ رسول اللہؐ اور ہند بن عتبہ کا مکالمہ

فتح مکہ کے ساتھ ہی بڑے بڑے بت پاش پاش ہوگئے غرور و گھمنڈ کے پتلے سرنگوں

ہوگئے، انہی میں ہند بن عتبہ بھی تھی۔ اب سر جھکائے نقاب سے چہرہ چھپائے اپنے پرانے کرتوتوں پر ندامت کا چہرہ لئے موجود تھی۔ رسو اللہؐ نے بیعت شروع کی رسول اللہؐ: اللہ کو وحدہ لا شریک مانو گی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ نگی۔

ہند: اللہ کی قسم: آپؐ ہم سے ایسی باتوں کا اقرار و بیعت لے رہے ہیں جن باتوں کا مردوں سے اقرار نہیں لیا۔

رسول اللہؐ: اقرار کرو کہ چوری نہیں کروگی

ہند: میں نے نادانستگی میں ابوسفیان کے مال میں سے تھوڑا بہت لیتی رہی ہوں میں حلال وحرام کو نہیں جانتی تھی کیا جائز اور کیا نا جائز ہے؟

ابوسفیان: (جو اسوقت وہاں موجود تھے) ہند تم گذشتہ غلطیوں کے مواخذے سے آزاد ہو۔

رسول اللہؐ: اچھا تم ہند ہو عتبہ کی بیٹی:

ہند: میری درخواست ہے کہ میرے گذشتہ قصور معاف کردیں

رسول اللہؐ: (معاف کرتے ہوئے آگے اقرار لیتے ہیں) اقرار کرو کہ زنا نہیں کروگی۔

ہند اے اللہ کے رسول کیا کوئی شریف زادی بھی زنا کرسکتی ہے۔

رسول اللہؐ: اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی

ہند :ہم نے اپنے بچوں کو پال پوس کر بڑا کیا اور آپؐ نے انہیں قتل کرڈالا اب آپ جانیں (خدا جانے) اور وہ جانیں

رسو اللہؐ :بہتان تراشی نہیں کروگی۔

ہند :خدا کی قسم، بہتان تراشی تو سراسر معیوب اور قبیح عمل ہے (۳۱)

اثرات ونتائج:

۱) اللہ کی تائید ونصرت کی صورت گری اس طرح وقوع پزیر ہوئی کہ ایسے ایسے سرکش مطیع و فرماں نبردار بن گئے۔

۲) آنے والے ادوار میں اللہ تعالی نے دکھلا دیا کہ ابوسفیانؓ کا خانوادہ دین اسلام کے شوکت و غلبے کا سبب بنا۔

۳) اسی خاندان کی ایک فرد حضرت ام حبیبہ ام المومنین کے شرف کی حامل تھیں۔ رسول اللہ کی خانگی زندگی کے بعض اہم امور کی امین ہیں۔

۴۔ حضرت امیر معاویہؓ بن ابوسفیان اسی خانوادہ کے جلیل القدر فرد اور ملت اسلامیہ کے اہم سپوت۔ جن کے کارہائے نمایاں کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔

۵۔ فتح مکہ کے موقع پر ان لوگوں کے قبول اسلام کے ذریعہ اللہ تعالی اپنے رسول، اپنے دین اور اپنے کلام کی حقانیت روز روشن کی طرح ظاہر کردی۔

۲) فضالہ بن عمیر سے رسول اللہ کا مکالمہ

رسول اللہؐ نے انتہائی آسانی کے ساتھ مکہ مکرمہ فتح کرلیا۔ اللہ تعالی نے اپنے رسول محمد عربی اور دین اسلام کو شوکت و غلبہ عطا فرما دیا۔ اہل کفر پر عساکر اسلام اور رسول اللہ کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ وہ مقابلہ کی ہمت نہ کر سکے۔

ایسے میں فضالہ بن عمیر نے پیچھے سے وار کرکے رسول اللہ کو ختم کرکے اپنے جذبہء انتقام کی تسکین پہنچانے کا منصوبہ بنایا کہ جب رسول اللہ طواف میں مشغول ہوں تو یہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کرلے۔ آپؐ نے طواف کعبہ شروع کیا۔ اسی دوران یہ شخص آپؐ کے قریب آیا تو آپؐ نے فضالہ کو خود ہی متوجہ کیا اور کہا فضالہ اس نے کہا جی اے رسول اللہ ﷺ: تم اس وقت کس سوچ و فکر میں تھے۔

فضالہ: جی میں اللہ کو یاد کررہا تھا۔ یہ سن کر رسول اللہؐ نے تبسم کیا پھر فرمایا۔ اے فضالہ! اللہ سے معافی طلب کرو پھر آپؐ نے اپنا دست مبارک فضالہ کے سینے پر رکھا (خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسکا دل) اسی وقت پرسکون ہوگیا فضالہ کا بیان ہے ابھی آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ سے ہٹایا بھی نہیں تھا کہ مخلوق خدا میں رسول اللہ کی ذات میرے لئے محبوب ترین ہوگئی۔ (۳۲)

اثرات و نتائج:

۱۔ اللہ تعالی نے اپنے حبیب کو ہادی اعظم بنا کر بھیجا، بڑے بڑے گناہگار رضی اللہ عنہ ورضوعنہ کے منصب جلیل پر فائز ہوگئے۔

۲) رسول اللہؐ کے دست شفقت نے دین اسلام کے بڑے سے بڑے دشمن کے دل میں گھر کرلیا۔

۳) کتنے ہی باغی و سرکش مطیع و فرمانبردار ہو کر خدمت دین اسلام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

ضمام بن ثعلبہ اور رسول اللہ کا مکالمہ

نجد کا ایک بدوی مدینہ آتا ہے۔ اتنا سلیقہ بھی نہیں کہ مسجد نبوی اور محفل نبوی کا احترام کرے۔ اپنا اونٹ مسجد کے اندر لا کر دروازے سے باندھ دیتا ہے۔ اور نہایت اکھڑپن سے مجلس رسولؐ میں در آتا ہے۔ آتے ہی نہایت ہی درشت لہجے پہلے میں سوال کرتا ہے۔

کون ہیں ابن عبدالمطلب ؟

صحابہء کرام اس کے درشت لہجے کو محسوس کرتے ہیں لیکن مجسم رحمت سرور عالمؐ نہایت ہی تحمل سے جواب دیتے ہیں میں ہوں۔

وہ کہتا ہے: میں نجد سے آیا ہوں، قبیلہ والوں نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے مجھے بھیجا ہے، میں تم سے سوال کرنا چاہتا ہوں میرا لہجہ سخت اور درشت ہے میں سختی سے بات کروں گا آپ اسے محسوس نہ کریں۔

رحمت للعالمین جواب دیتے ہیں۔

تمہیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو، میں دل پر میل نہیں لاؤں گا۔

پھر وہ سوال کرتا ہے اور حضور نہایت ہی اطمینان سے اسکے کے ہر سوال کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، حالاں کہ پورے مکالمہ میں سائل کا لہجہ درشت رہتا ہے، تعلیم اور تعلیم کا یہ طریقہ اس طرح کارگر ثابت ہوتا ہے کہ وہ شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو صادق نبی بنایا ہے میں آپ کی بتائی ہوئی باتوں میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ میں آپ کا دین قبول کر چکا ہوں۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے۔

آپؐ صحابہ کو دین کی تعلیم دیتے وقت اسی طریق سے کام لیتے تھے۔ ایجاز و اختصار اور جامعیت کو ملحوظ خاطر رکھتے، انداز بیان دلنشین اور مسائل نہایت ہی سادہ زبان میں بیان فرماتے، ایک مکالمہ جو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ہو، جس کے راوی حضرت ابوموسی اشعری ہیں۔ صحابہ کرام عرض کرتے ہیں۔

یارسول اللہ۔کون سا اسلام افضل ہے؟

آپ فرماتے ہیں۔اس کا اسلام جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک صحابی: یارسولؐ اللہ! اسلام کی بہترین خصوصیت کونسی ہے؟

رسول اللہ۔ یہ کہ تو (بھوکے کو) کھانا کھلائے۔واقف و ناواقف سب کو سلام کرے۔

صحابہ: کونسا عمل افضل ہے؟

رسول اللہ: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔

صحابہ: اس کے بعد کونسا عمل؟

رسول اللہؐ: جہاد فی سبیل اللہ

صحابہ: پھر کونسا عمل؟

رسول اللہؐ: مبرور (وہ حج جسکے بعد گناہوں کا ارتکاب نہ کرے (۴۳)

اثرات ونتائج اس مختصر سے مکالمہ میں معانی کی ایک پوری کائنات بیان فرمائی گئی ہے۔ان کی تشریح اور توضیح کے لئے سینکڑوں صفات بھی سیاہ کئے جائیں پھر بھی ان کے معنی اور مطالب بیان کرنے کا حق ادا نہیں ہوسکتا اور علمائے دین نے حضورؐ کے کلام کی تشریح و توضیح کے لئے کئی ضخیم مجلدات لکھی ہیں کیا ان سے بڑھ کر ایجاز و اعجاز کی جامعیت اور معنویت کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔اس کے ساتھ ہی تاثر کا یہ عالم کہ جس نے بھی دین کا کوئی مسئلہ دریافت کیا، اس کو حرز جاں بنالیا۔اور اس کے ایک ایک جز پر عمل کرنا اپنا فرض اولین جانا۔ بدوی کی مثال ہی کافی ہے کہ اس نے سوالات کئے۔ مسائل کا علم حاصل کیا اور پھر انہیں ضابطہ عمل بنالیا۔صحابہ کی مثال۔ظاہر و باہر ہے۔کوئی اس سے انکار کرسکتا ہے؟

فصاحت و بلاغت حضورؐ کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اگرچہ بنیادی طور پر آپ نہایت ہی سادگی سے سادہ لفظوں میں پند و نصائح بیان فرماتے۔لیکن آپ کسی کو تعلیم دینے یا کلام کو زیادہ موثر و دلنشین بنانے کا ارادہ فرماتے تو سوال کی صورت میں شروع فرماتے۔اس طرح آپ کی گفتگو مکالمات کی صورت اختیار کرلیتی ۔ یہ مکالمات مختلف حالات مختلف ماحول اور مختلف مقامات پر صورت پذیر ہوئے ہیں اس لئے پیرایہ بیان بھی مختلف ہے۔اور بلاغت کا تقاضہ بھی یہی ہے۔اختلاف بیان آپ کے کلام کی بلاغت وفصاحت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔(۴۴)

خلفائے راشدین کے مکالمات

۱) مرتدین کے نام حضرت ابوبکرؓ کے خطوط:

مروی ہے کہ تمام مرتدین کے نام ایک ہی خط تھا جو ابوبکرؓ نے لکھا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہؐ کی جانب سے ان تمام عام اور خاص لوگوں کے نام ہے جن کو یہ موصول ہو چکا ہے وہ اسلام پر قائم ہوں یا اس سے مرتد ہو گئے ہوں سلامتی ہو ان پر جنہوں نے راہ راست کی اتباع کی ہدایت کے بعد ضلالت اور گمراہی اختیار نہیں کی میں تمہارے سامنے اس معبود حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اللہ کا جو پیام وہ ہمارے لئے لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس سے انکار کرے ہم اسے کافر سمجھتے ہیں اس سے جہاد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد کو واقعی اپنی جانب سے اپنی مخلوق کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی جانب اس کے حکم سے دعوت دینے والا اور ایک روشن شمع بنا کر مبعوث فرمایا تا کہ وہ جو زندہ ہوں ان کو اللہ کا خوف دلائیں اور اس طرح منکرین کے برخلاف بات پکی ہو جائے جس نے ان کی بات مانی اللہ نے اسے راہ راست بتادی اور جس نے ان سے انکار کیا رسول اللہؐ نے اللہ کے حکم سے اسے اچھی طرح سزا دی یہاں تک کہ وہ خوشی سے یا بادل نخواستہ اسلام لے آیا۔ پھر اللہ نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لیا مگر وہ اللہ کے حکم کو پوری طرح نافذ کر چکے تھے اور اس کی امت کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی کر چکے تھے۔ اللہ نے ان کی موت کی صاف اطلاع خود رسول اللہ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی کتاب میں جسے اس نے نازل فرمایا ہے پہلے سے دے دی تھی۔

اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں۔

انک میت و انھم میتون (بے شک تم مرنے والے ہو اور وہ سب بھی مرنے والے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخلدون** (ہم نے تم سے پہلے کسی انسان کو بقائے دوام نہیں دیا تو کیا اگر تم مر گئے تو وہ ہمیشہ جیتے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے۔ **وما محمد الارسول قدخلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقا بکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا و سیجزی اللہ الشاکرین** (محمد بھی ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں کیا اگر وہ مر جائیں

یا مارے جائیں تو تم اپنے پچھلے پیروں پلٹ جاؤ گے اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اللہ ضرور اپنے شکر گزار بندوں کو جزائے خیر دے گا) اس لئے جو لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے تھے ان کو آگاہ ہو جانا چاہئیے کہ محمدؐ مر گئے اور جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے۔ ان کو اطمینان رکھنا چاہئیے اللہ ان کا نگران ہے وہ زندہ جاوید ہے نہ اسے موت ہے نہ اسے اونگھ اور نیند آتی ہے وہ اپنی بات کا محافظ ہے اپنے دشمن سے پورا پورا انتقام لینے والا ہے۔

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اس طرح اپنا حصہ اور نصیبہ اس سے حاصل کر سکو اور تمہارے نبی جو اللہ کا پیام تمہارے پاس لائے ہیں اس سے بہرہ ور ہو سکو اور اللہ کی ہدایت پر گامزن رہو اللہ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہو جسے اللہ ہدایت نہ دے وہ گمراہ ہے اور جسے اللہ معاف نہ کرے وہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے جس کی اعانت اللہ نہ کرے وہ ذلیل اور ناکام رہ جاتا ہے جس کی ہدایت اللہ نے کی وہ واقعی راہ راست پر گامزن ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا وہ بالکل گمراہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "**من یھد اللہ فھو المھتدی و من یضلل فلن تجدلہ ولیا مرشدا**۔ (جسے اللہ نے ہدایت دی وہ واقعی کامیاب ہوا اور جسے اللہ نے گمراہ کر دیا تو اس کے بعد پھر ہرگز اسے کوئی صحیح اور خیر خواہ رہبر نہیں مل سکتا) اور جب تک کوئی اس دین الٰہی کا اقرار نہ کرے نہ دنیا میں اس کا کوئی عمل مقبول ہوگا اور نہ آخرت میں کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول کیا جائے گا۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بہت سے لوگ اسلام لانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس سے مرتد ہو گئے ہیں ان کو یہ جسارت اس لئے ہوئی کہ انہوں نے اللہ کے متعلق غلط اندازہ قائم کیا ہے اور اس کے طریقہء کار سے وہ واقف نہیں اور انہوں نے شیطان کے اغوا کو قبول کیا اللہ فرماتا ہے۔" **واذ قلنا للملائکۃ اسجد و الا دم فسجدو الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ افتتخذو نہ و ذریتہ اولیاء من دونی و ھم لکم عدو بئس للظالمین بدلا** (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جو جن تھا اس لئے اس نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی تو اب کیا تم اسے اور اس جماعت کو میرے سوا اپنا مالک بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں راہ راست سے ہٹنے والوں کو یہ بہت برا معاوضہ ملا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" **ان الشیطان لکم عدو فاتخذ وہ عدوا نما ید عوحزبہ لیکو نو امن اصحب السعیر** " (بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔ اس کی جماعت تم کو اس لئے اغوا کرتی ہے کہ

تم دوزخ میں جاؤ) میں نے فلاں شخص کو مہاجرین انصار اور پہلے تابعین کی جمعیت کے ساتھ تمہارے پاس بھیجا اور ان کو حکم دیا ہے کہ تاوقتیکہ وہ اللہ کا پیام تم تک نہ پہنچادیں نہ کسی سے جنگ کریں اور نہ کسی کو قتل کریں لہٰذا جو اس دعوت کو قبول کر کے اس کا اقرار کرلے اپنے موجودہ طرز عمل سے باز آجائے اور عمل صالح کرنے لگے اس کے اقرار اور عمل کو قبول کر کے اس پر بقاء اور قیام کے لئے اس شخص کی اعانت کی جائے اور جو اس پیام کو رد کردے اس کے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ محض اس انکار کی وجہ سے اس سے جنگ کی جائے اور پھر جس پر قابو چلے اس کے ساتھ ذرا بھی رحم نہ کیا جائے ان کو جلا دیا جائے اور بری طرح قتل کردیا جائے ان کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنالیا جائے۔ اسلام کے سوا کسی بات کو ان سے قبول نہ کیا جائے جو اسلام کی اتباع کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے جو اس سے انکار کرے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اللہ سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکتا

میں نے اپنے پیامبر کو ہدایت کی ہے کہ اس خط کو ہر مجمع میں پڑھ کر سنادیں اور ہمارا شعار آذان ہے لہٰذا جب مسلمان آذان دیں مرتدین بھی آذان دیں تو خاموشی اختیار کی جائے اور اگر وہ آذان نہ دیں فوراً ان کی خبر لی جائے اور آذان دینے کے بعد بھی ان سے دریافت کیا جائے کہ وہ کس مسلک پر ہیں اگر اسلام سے انکار کریں فوراً ان سے جنگ شروع کردی جائے اور اگر وہ اسلام کا اقرار کرلیں ان کے بیان کو قبول کر کے ان پر اسلام کی خدمت عائد کی جائے (۳۵)

اثرات ونتائج:

۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایسے موقعے پر مرتدین کے نام خط بھیجا جبکہ رسول اللہؐ کے وصال کے بعد مسلم سلطنت چہار اطراف سے فتنوں کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ مرتدین کا فتنہ بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک خطرناک فتنہ تھا۔ آپؓ کو یہ مشورہ دیا جارہا تھا کہ ان فتنوں کے خلاف زیادہ سختی مناسب حال نہیں کیوں کہ مسلم سلطنت اس وقت اسکی متحمل نہیں ہوسکتی مگر حضرت ابو بکرؓ نے کمال حوصلہ مندی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلارعایت تمام فتنوں کو کچل کر رکھ دیا آپؓ کا یہ خط آپ کی شخصیت کے اس پہلو کا عکاس ہے۔

۲۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت کردیا کہ آپکی خلافت وقیادت اور آپکی تحریر وتقریر دشمنان اسلام، کفار ومشرکین کے لئے کاری وار ثابت ہوئی اور اللہ نے اہل ایمان کو فتح

ونصرت سے نوازا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

قبیلہ عدی سے تعلق رکھنے والا ایک نوجوان مکہ مکرمہ میں بڑا جری، بہادر اور ذی وجاہت تھا، اور رسول اللہؐ کے بدترین دشمنوں میں ہوتا تھا رسول اللہؐ نے اسے اہل ایمان کی مدد ونصرت کے لئے اللہ تعالی سے مانگا تو اللہ تعالی نے مراد رسول کو در رسولؐ پر حاضری دینے کا غیبی نظام متحرک کر دیا۔

ہوا یہ کہ اس نوجوان کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زیدؓ کو اللہ تعالی نے نعمت اسلام سے مالا مال کر دیا۔ فاطمہؓ نے اپنے بھائی عمر کے خوف سے اسلام کو خفیہ رکھا۔ صحابی رسول حضرت خبابؓ، فاطمہؓ کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے (عمر کو رسول اللہؐ اور مسلمانوں سے بڑی پریشانی تھی کہ ان لوگوں نے شہر مکہ میں نئے دین کی بنیاد ڈالدی ہے۔ چنانچہ (انکا خاتمہ ضروری ہے چنانچہ) وہ تلوار لٹکا کر رسول اللہؐ اور اصحاب آپکے کی تلاش میں نکلے ان کی قبیلہ بنی عدی کے نوجوان نُعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی یہ مسلمان ہو چکے تھے۔

نعیم: عمر کہاں کا ارادہ ہے۔

عمر: ایک ایسے انسان کا فیصلہ کرنے جارہا ہوں جس نے بے دینی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ قریش کے اتحاد کو اختلافات میں تبدیل کر دیا ہے، وہ اہل قریش کو اجڈ جاہل گنوار اور بے وقوف قرار دیتا ہے۔ ان کے دین میں طرح طرح کے عیب تراشتا ہے۔ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور گالیاں دیتا ہے (بس بہت ہو گیا نعوذ باللہ) آج تو میں محمدؐ کا قصہ ہی پاک کردوں گا۔

نعیم: ارے تم تو دھوکے میں ہو۔ پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو انہیں درست کرو

عمر: میرے گھر میں کون بگڑ گیا ہے؟

نعیم: تمہاری بہن فاطمہ، تمہارے بہنوئی اور چچازاد بھائی سعید بن زید محمدؐ کا دین اختیار کر کے مسلمان ہو چکے ہیں انہیں تو پہلے دیکھ لو۔ عمرؓ پلٹے اور بہن فاطمہؓ کے گھر پہنچ گئے۔ اس وقت ان کے گھر حضرت خباب فاطمہؓ کو ایک صحیفہ میں تحریر سورہ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ جب آہٹ سے اندازہ ہوا کہ عمرؓ آئے ہیں تو اندر کمرے میں چھپ گئے۔ فاطمہؓ نے جلدی سے صحیفہ اپنی ران کے نیچے چھپالیا۔

عمر: یہ کیا سرگوشیاں ہورہی تھیں۔ (کیوں کہ عمر نے حضرت خباب ؓ کی قرأت سن لی تھی)۔
بہن بہنوئی: کیا تم نے کچھ سنا ہے۔
عمر: ہاں، سنا بھی ہے اور معلوم بھی ہوا ہے کہ تم لوگوں نے (بے دینی اختیار کرلی ہے) محمد کا دین اختیار کرکے، پھر اپنے بہنوئی کو مارنے کے لئے دوڑ لگائی۔ بہن اپنے شوہر کو بچانے لگی۔ تو انہیں بھی نہیں بخشا بہن کو بھی زخمی کردیا۔ جب یہ مار پیٹ چکے تو بہن بہنوئی بولے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں ایک اللہ وحدہ لاشریک اور اسکے رسول محمد ؐ پر ایمان لا چکے ہیں۔ تم جو جی میں آئے کرلو (لیکن ہم دین محمد کو نہیں چھوڑ سکتے ہمیں اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں)

عمر نے جو دیکھا تو بہن کا جسم خون آلود ہو چکا ہے (پھر بھی اسلام کا نشہ ایسا ہے جو اترتا ہی نہیں ہے) تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اور نادم ہو کر رہ گئے۔

عمر مجھے وہ صحیفہ دو جو تم دونوں ابھی پڑھ رہے تھے میں بھی تو دیکھوں محمد کی کیا تعلیم ہے کیوں کہ عمرؓ پڑھ لکھے تھے۔

بہن: ہمیں خوف ہے کہ تم بے ادبی کروگے۔
عمر: اطمینان رکھو اپنے معبودوں کی قسم کھاتا ہوں کوئی بے ادبی نہیں کرونگا۔

بہن کے دل میں بھائی کی محبت اور ان کے قبول اسلام کی لالچ پیدا ہوئی وہ بولیں:۔

یا اخی انك نجس علی شرکك وانه لا یمسها الا الطاهر، فقام عمر فاغسل فاعطته الصحيفة و فيها طه فقراها فلماء قراء مهما صدراً قال ما احسن هذا الکلام اکرمة

فاطمہ! "بھائی جان شرک کی وجہ سے آپ ناپاک ہیں اور اس صحفیہ کو صرف پاک وصاف انسان ہی چھو سکتا ہے عمر کھڑے ہوئے، غسل کرکے آئے پھر بہن نے صحیفہ دیا اس میں سورۃ طٰہٰ تحریر تھی بس تھوڑی سی تلاوت کی تھی کہ پکار اٹھے: "کیا ہی پاکیزہ اور قابل احترام کلام ہے؟

خباب (اندرونی کمرے سے نکل کر سامنے آگئے اور کہنے لگے اے عمر اللہ تعالی اپنے رسول کی دعوت دین تم کو ضرور مشرف کرے گا اس لئے کہ میں نے کل ہی رسول اللہ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا

اللھم ایدالسلام بابی الحکم بن ھشام اوبعمر بن الخطاب(۳۶)

اے اللہ۔ ابوالحکم بن ھشام یا عمر بن خطاب کے ذریعہ دین اسلام کی نصرت فرما۔

اے عمر اب تو تم تمہیں اللہ کا خوف اور شرم آجانی چاہیے۔

عمر: اے خباب میں دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہوں مجھے محمدؐ کے پاس لے چلو

خباب: وہ صفا کے قریب ایک گھر میں ہیں ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں عمرؓ نے تلوار لٹکائی رسول اللہ تک پہنچے اور دروازے پر دستک دی، صحابہ کرام نے عمرؓ کی آواز سنی اور دروازے کی دراز سے جھانک کر دیکھا تو فوراً آپؐ کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور کہا یارسول اللہ عمر آئے ہیں اور تلوار لٹکائی ہوئی ہے

حمزہ: عمر کو آنے دو اگر اچھے اور نیک ارادے سے آئے ہیں تو بسم اللہ ورنہ ہم ان کی تلوار سے ہی انکا سر قلم کر دیں گے۔ رسول اللہؐ نے کہا عمر کو اندر آنے دو، درواز کھل گیا، جب عمرؓ اندر آنے لگے تو آپؐ نے ان کا دامن یا گریبان پکڑ کر کھینچا اور فرمایا۔

اے ابن خطاب کیسے آنا ہوا؟ کہیں مرنے سے پہلے تمہیں کسی آفت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

عمر: رسول اللہؐ میں اللہ کی ذات پر ایمان لانے اور اللہ کی تعلیم اور ہدایت کو قبول کرنے کے لئے آیا ہوں یہ سنتے ہی رسول اللہؐ نے تکبیر بلند کی راوی کہتے ہیں:

فکبر رسول اللہؐ تکبیرۃ عرف اھل البیت من اصحاب رسول اللہؐ ان عمر قد اسلم (۳۷)

(بس اللہ کے رسول ﷺ نے تکبیر بلند کی جس سے اس گھر میں موجود ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ عمرؓ اسلام لا چکے ہیں)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

"لما اسلمت تلک الیلۃ تذکرت ای اھل مکۃ اشد لرسول اللہؐ عداوۃ (۳۸)

''جب میں نے اسلام قبول کیا تو اسی رات میں نے اپنے قبول اسلام کا مژدہ
ان تمام لوگوں کو سنا دیا جو آپؐ سے بغض وعداوت میں پیش پیش تھے''۔

فتح بیت المقدس کے موقعے پر حضرت عمرؓ کا ایک یہودی سے مکالمہ:

علامہ طبری نقل کرتے ہیں: حضرت سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ جابیہ آئے تو ایک یہودی آپ سے کہنے لگا۔

اے امیر المومنین آپ اپنے گھر واپس نہ جائیں جب تک کہ اللہ ایلیاء۔ (بیت المقدس) آپ کو فتح نہ کرائے ابھی حضرت عمرؓ جابیہ کے مقام ہی پر تھے کہ آپ نے گھوڑسواروں کے ایک دستے کو دیکھا جو آپ کی طرف آرہا تھا۔ جب وہ قریب آئے تو مسلمانوں نے تلواریں نکال لیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو پناہ لینے کے لئے آرہے ہیں تم انہیں پناہ دو

آخر کار معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایلیاء کے شہری ہیں انہو نے جزیہ ادا کرنے کے معاہدے پر مصالحت کر لی اور آپ کے لئے شہر کھول دیا ہے۔

جب شہر فتح ہوگیا تو آپ نے اس یہودی کو بلوایا کیونکہ آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ (وسیع) معلومات رکھتا ہے۔ آپؐ نے اس سے دجّال کے بارے میں دریافت کیا۔ کیونکہ آپ دجال کے بارے میں لوگوں سے ہمیشہ دریافت کرتے رہتے تھے۔

یہودی بولا۔ ''اے امیر المومنین! آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟ خدا کی قسم! آپ کی عرب قوم دس گز کے فاصلے پر لاکے دروازے کے قریب اسے قتل کر دے گی

یہودی کی پیشین گوئی۔ حضرت سالم سے ایک دوسری، روایت منقول ہے کہ حضرت عمر شام میں داخل ہوئے تو دمشق کا ایک یہودی ملا۔ وہ بولا۔

السلام علیکم یا فاروقؓ! آپ ایلیاء کے مالک ہیں۔ خدا کی قسم! آپ واپس نہیں جائیں گے جب تک اللہ ایلیاء کو (آپ کے لئے) فتح نہیں کرے گا۔

اہل ایلیاء نے حضرت عمرو بن العاص کو بہت تنگ کیا تھا اور حضرت عمرو نے بھی انہیں بہت زچ کیا تھا تاہم نہ تو وہ ایلیاء کو فتح کر سکے اور نہ رملہ کو مفتوح بنا سکے۔

جب حضرت عمرؓ جابیہ کے مقام پر لشکر انداز تھے اس وقت (اچانک) مسلمان ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ آپ نے پوچھا ''کیا بات ہے'' وہ بولے کیا آپ گھوڑوں اور تلواروں کو نہیں دیکھ رہے؟

اس پر آپ نے نظر دوڑائی تو آپ نے ایک فوجی دستہ دیکھا جن کی تلواریں چمک رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ پناہ گزین ہیں تم ان سے مت ڈرو بلکہ انہیں پناہ دو" جب انہیں پناہ دی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایلیاء کے باشندے ہیں۔ انہوں نے آپ سے صلح نامہ لکھوایا۔ ایلیاء کا تمام علاقہ اور رملہ کے تمام علاقہ کی طرف سے انہوں نے آپ سے صلح کر لی۔ اس طرح فلسطین کے علاقے کے دو حصے ہو گئے ایک حصہ کا تعلق ایلیاء والوں سے تھا اور دوسرے حصہ کا تعلق اہل رملہ سے تھا۔ اس کے دس اضلاع ہیں۔ فلسطین شام کے برابر ہے مذکورہ بالا یہودی بھی صلح کے وقت موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے دجال کے بارے میں دریافت کیا وہ بولا۔ دجال بن یامین کی اولاد میں سے ہوگا۔ اور تم خدا کی قسم! اے اقوام عرب: لد کے دروازے سے دس گز سے کچھ زیادہ کے فاصلے پر اسے قتل کرو گے۔

خالد اور عبادہ روایت کرتے ہیں کہ ایلیاء اور رملہ کے عوام نے تمام اہل فلسطین کی طرف سے مصالحت کی تھی کیونکہ ارطبون اور تذارق حضرت عمرؓ کی جابیہ آمد پر مصر چلے گئے تھے اور اس کے بعد موسم گرما کی فوجی مہم میں مارے گئے تھے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ شام اسی وجہ سے آئے کہ حضرت ابو عبیدہ جب بیت المقدس گئے تھے تو وہاں کے باشندوں نے شام کے دیگر شہروں کی صلح کے مطابق مصالحت کی درخواست کی نیز یہ کہ اس صلح کی تکمیل حضرت عمرؓ ابن الخطاب کے ہاتھوں انجام پذیر ہو۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کو مدینے خط لکھا لہٰذا حضرت عمرؓ وہاں سے روانہ ہو گئے۔

عدی بن سہل کی روایت ہے کہ جب اہل شام نے اہل فلسطین کے بر خلاف حضرت عمرؓ سے امداد طلب کی تو آپ نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا اور ان کی امداد کے لئے آپ بذات خود روانہ ہوئے اس وقت حضرت علیؓ نے فرمایا۔ " آپ بذات خود کہاں جا رہے ہیں؟ آپ ایک سخت دشمن کا قصد کر رہے ہیں"

آپ نے فرمایا "میں حضرت عباس کی موت سے پہلے دمشق سے جلد جہاد کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اگر حضرت عباس رخصت ہو گئے تو شر کے فساد پھیل جائے گا اور یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

یہی راوی آگے چل کر، بیان کرتا ہے کہ جب اہل فلسطین سے مصالحت شروع ہوئی تو حضرت عمرو اور شرجیل بھی حضرت عمر کے پاس جابیہ پہنچ گئے تھے اور وہ صلح نامہ کی تحریر کے موقع پر موجود تھے۔

صلح نامہ کا مضمون:

خالد اور عبادہ روایت کرتے ہیں جب عمر نے جابیہ کے مقام پر اہل ایلیاء سے صلح کی اور ہر صلح کے لئے صرف ایک ہی صلح نامہ لکھا اہل ایلیاء اس سے مستثنیٰ تھے صلح نامہ اس مضمون کا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ کے بندے (حضرت) عمرؓ امیر المومنین نے اہل ایلیاء کو ان کی جانوں مالوں کی پناہ دی ہے۔ ان کے گرجا، صلیبیں، بیمار، تندرست اور تمام مذاہب کے لوگ پناہ میں رہیں گے۔ ان کے گرجاؤں میں کوئی نہیں رہے گا نہ وہ گرائے جائیں گے۔ اور ان کی عمارت کی کوئی چیز توڑی نہیں جائے گی اور نہ ان کی صلیب اور مال کی کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا ان کے مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی اور نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا اور یہودیوں میں سے ان کے ساتھ کوئی ایلیا میں نہیں رہے گا۔

اہل ایلیاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی طرح جزیہ ادا کریں جس طرح دوسرے شہروں کے لوگ ادا کررہے ہیں ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ رومیوں اور چوروں کو وہاں سے نکال دیں بہرحال جو کوئی وہاں سے نکلے گا اسکے جان و مال کی اس وقت تک حفاظت کی جائے گی جب تک کہ وہ امن کی جگہ پر پہنچ جائیں۔ اور جو کوئی وہاں رہنا پسند کرے گا تو اس کی بھی حفاظت کی جائے گی اور اسے بھی اہل ایلیاء کی طرح جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اہل ایلیاء میں سے بھی جو کوئی رومیوں کے ساتھ اپنے جان و مال کے ساتھ جانا چاہے اور اپنی صلیبوں اور دوسری مذہبی چیزوں کو لے کر جانا چاہے تو ان کے جان و مال اور سامان کی حفاظت کی جائے گی تاکہ انکہ وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔ (۳۹)

دوسرے معاہدے کا مضمون ہے:

مسلمانوں کے دوسرے معاہدے اہل لد کے معاہدے کے مطابق تھے (جو مندرجہ ذیل ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ (عہد نامہ) اللہ کے بندے (عمرؓ) امیر المومنین نے اہل لد اور جو کوئی اہل فلسطین میں سے ان کے ساتھ شامل ہو تحریر کیا ہے

وہ انکے جان و مال کلیساؤں، صلیبوں، بیمار و تندرست اور تمام افراد ملت کی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ ان کے گرجاؤں میں کوئی نہیں رہے گا۔ اور نہ یہ منہدم ہوں گے اور نہ ان کی کسی چیز کو نقصا پہنچایا جائے گا خواہ ان کی صلیبیں ہوں یا مال و اسباب ہوں، ان کے دین کے معاملے میں زبردستی نہ

کی جائے گی اور نہ ان میں سے کسی شخص کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

اہل لد کے لئے اور ان کے ساتھ اہل فلسطین میں سے جو کوئی شامل ہو۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اسی طرح جزیہ ادا کریں جس طرح شام کے دوسرے شہر کے لوگ ادا کرتے ہیں اور اگر وہ (یہاں سے) جانا چاہیں تو ان کے لئے بھی وہی مذکورہ بالا شرائط ہیں

آپ نے فلسطین کے دو حصے قائم کر دیئے۔ نصف حصہ پر علقمہ بن حکیم کو مقرر کیا ان کا مرکز رملہ تھا اور اس کے دوسرے نصف حصے پر علقمہ بن مجزز کو مقرر کیا اور ان کا مرکز اہلیاء مقرر ہوا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک سردار اپنے لشکر کے ساتھ اسی عمل داری میں پہنچ گیا۔ (۴۰)

اثرات ونتائج:

۱) حضرت عمرؓ کا قبول اسلام اہل ایمان کے لئے زبردست تقویت کا باعث بنا

۲) دو شخصیات کی مکہ مکرمہ میں وھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تھے ماموں اور بھانجے، بھانجا (عمرؓ بن خطاب) فاروق اعظمؓ کے بلند وارفع مقام تک پہنچ گیا اور ماموں (عمر بن ہشام) ابو جہل ملعون ومبغوض بن گیا (۴۱)

۳) فاروق اعظمؓ کا حلقہ بگوش اسلام (ہونا) اہل کفر کی صفوں میں ماتم برپا کرنے کا سبب بن گیا۔

۴) دعائے رسول فاروق اعظمؓ کی صورت میں دنیا کو ایک عظیم مدبر، منتظم اور حاکم سلطنت میسر آ گیا۔

۵) فاروق اعظمؓ کے قبول اسلام سے فوری طور پر کفار مکہ کو شدید صدمہ پہنچا اور آنے والے دنوں میں دنیا کی عظیم کفریہ سلطنتوں کے کفار، عمرؓ کے نام سے ہی کانپ اٹھتے تھے۔

حضرت عثمان غنیؓ کا سرداران مکہ سے مکالمہ

رسول اللہؐ: اے عثمان جاؤ ابو سفیان اور دوسرے سرداران قریش کو ہمارا پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے ہمارا ارادہ حج اور عمرہ ادا کرنے کا ہے ہم ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا چاہتے ہیں۔ اور مکہ میں جو اہل ایمان موجود ہیں ان کو یہ بشارت سنا دو گھبرائیں نہیں۔ عنقریب اللہ تعالی مکہ میں اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔ اور انہیں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

حضرت عثمانؓ مکے پہنچے تو قریش کے اکابرین سے ملے اور رسول اللہ کا پیغام پہنچایا۔ انہوں

نے یہ بات چیت کی۔

قریش: اگر تم کعبہ کا طواف کرنا چاہتے ہو تو کرلو عثمان: ہم سب کعبہ کی زیارت اور فریضہ حج ادا کرنے کے لئے آئے ہیں جب تک رسول اللہؐ طواف نہ کرلیں۔ میں اسوقت تک طواف نہیں کرسکتا۔ میری اس بات کا ثبوت قربانی کے جانور ہیں جو ہم اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہم زیارت و قربانی کے بعد واپس چلے جائیں گے۔

مکہ والوں نے حضرت عثمان کو اپنے ہاں روک لیا مسلمانوں کے کیمپ میں یہ بات پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیئے گے، مسلمان طیش میں آگئے اور حضورؐ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا

جب تک ہم ان لوگوں سے خون عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں یہاں سے قدم نہیں ہٹائیں گے (اپنا دست مبارک تھام کر) یہ عثمان کی طرف سے ہے تمام صحابہ نے موت پر بیعت کی تاریخ میں یہ بیعت، بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ (۴۲)

اثرات ونتائج:

۱) رسول اللہؐ نے حضرت عثمانؓ کو سفارتکار کی حیثیت سے سرداران مکہ کے پاس بھیج کر عثمان غنیؓ کی شخصیت کے ایک اور پہلو کی نشاندہی فرمادی

۲) حلم و بردباری کامیاب سفارتکاری کے لئے انتہائی اہم وصف ہے رسول اللہؐ حضرت عثمان غنیؓ کے اس وصف سے بخوبی واقف تھے۔

۳) حضرت عثمان غنیؓ نے رسول اللہ کا پیغام سرداران مکہ تک پہنچادیا اور مکمل تحمل کا مظاہرہ کیا۔

۴) سرداران مکہ کی اجازت کے باوجود حضرت عثمان غنیؓ نے عمرہ نہ ادا کرکے یہ ثابت کردیا کہ اصحاب محمدؐ اپنے رسول کو ہر معاملہ میں مقدم رکھتے ہیں اور ان لوگوں کا ہر اک عمل رسول اللہ کی اجازت کا منتظر ہوتا ہے۔

۵) حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر پا کر تمام صحابہ کرامؓ کا موت پر بیعت کرنا حضرت عثمان غنیؓ سے والہانہ محبت وعقیدت کا عملی مظاہرہ تھا۔

۶) بیعت رضوان کے موقع پر رسول اللہ کا اپنے ایک دست مبارک کو حضرت عثمان غنیؓ کا ہاتھ قرار دینا اللہ کے رسولؐ کی نظر میں عثمانؓ کی وقعت واہمیت کا ثبوت ہے

۷) حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کی جانے والی بیعت کے واقعے کو قرآن حکیم میں بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور مقام عثمان کو واضح کر دیا۔

۸) قرآن حکیم کلام رب جلیل اور تا قیام قیامت تمام اہل ایمان کے لئے دستور حیات و دستور ہدایت ہے۔ بیعت رضوان کے واقعے کو قرآن مجید میں بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام اہل ایمان کے سامنے حضرت عثمان غنیؓ کے بلند مقام و مرتبہ کو آیت بینات کی صورت میں نازل

اور محفوظ فرما دیا۔

خلاصہء کلام:

۱) آپ کے مکالمات اپنے اندر تاثیر اور رقت انگیزی کا اک سمندر سموئے ہوئے ہیں۔

۲) آپ کی گفتگو سن کر پتھر دل بھی موم ہو جایا کرتے تھے

۳) آپ کبھی موضوع کی مناسبت سے بات کا رخ موڑ دیا کرتے۔

۴) آپ کا پیرایہء بیان واضح اور قابل فہم ہوا کرتا تھا۔ آپ کی گفتگو میں کہیں پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں دیکھا جا سکتا۔

۵) آپ ﷺ کبھی اپنی گفتگو سے دلوں کے تار اس طرح چھیڑ دیتے کے آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔

۶) آپؐ کبھی اپنی گفتگو سے جوش، شوق اور ولولہ پیدا فرما دیتے کہ ہر ایک صحابی رسول دین حق کی سربلندی کے لئے صف اول میں دکھائی دیتا۔

۷) آپؐ کی گفتگو جامع مانع ہوا کرتی آپ لمبی چوڑی اور بے معنی گفتگو سے پرہیز فرماتے۔

۸) آپؐ مکالمات میں بعض اوقات خود کوئی موضوع چھیڑ دیتے اور درمیان میں حاضرین کے سوالات کے جوابات بھی دیتے چلے جاتے کبھی حاضرین استفسار کرتے اور آپؐ انہیں جواب دیتے مکالمات پر مشتمل یہ انداز تکلم تعلیم و تعلم کے لئے انتہائی مؤثر ہوا کرتا ہے۔

۹) آپؐ نے بیشتر مواقع پر مکالمات کے ذریعہ تعلیم دی کیوں کہ مکالمات فروغ تعلیم کا موثر اور بہترین طریقہ ہے۔

۱۰) مکالمات کے ذریعہ تعلیم و تعلم رسول اللہ کا وہ منہج تھا جس سے ہر طبقہء فکر کے افراد مستفید

ہو جایا کرتے چاہے وہ عالم ہوں کہ اجڈ وگنوار یہی وجہ ہے کہ آج کے جدید تعلیمی نظریات بھی اسکی تائید پر مجبور ہیں۔

۱۱) آپ کا انداز بیان کبھی کبھار تشبیہ اور استعارہ سے عبارت ہوتا۔ یہ اس وقت ہوتا جب آپ کسی مسئلہ کی تعبیر بیان کرتے یا اخبار غیب فرمارہے ہوتے لیکن عمومی حالات اور عمومی موضوعات میں اس صنعت کے استعمال سے احتراز کرتے بلکہ سہل اور عام فہم پیرائے میں گفتگو کرتے

۱۲) آپ کے مکالمات کی ایک اہم خوبی یقین واذعان کی عظیم نعمت ہے یہ خوبی اسی شخص کو حاصل ہوسکتی جسے اپنی راہ اور اپنی منزل عین الیقین کی طرح واضح دکھائی دے رہی ہو۔ رسول اللہ یقیناً اس مقام سے ہمکنار تھے اور یہی وصف آپ کے مکالمات میں صاف دکھائی دیتا ہے۔

۱۳۔ آپ کو ایک جانب تو علوم الہیہ کے راز دیے گئے تو دوسری جانب فصاحت و بلاغت کے جوہر سے مالا مال کیا گیا۔

۱۴۔ خلفاء راشدین کے خطوط و مکالمات اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ اللہ تعالی کی جانب سے ان نفوس قدسیہ کو فصاحت و بلاغت، جامعیت و معنویت، ایجاز و اعجاز اور سلاست و روانی غرض کہ تحریر و تقریر کی تمام تر اعلی خوبیوں سے آراستہ کیا گیا تھا

مصادر و مراجع

۱) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول ماہنامہ نقوش (رسول نمبر) / ج ۷ ش ۱۳۰/ جنوری ۱۹۸۴ء/ص ۷ تا ۸، مطبوعہ لاہور۔

۲) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول/ ماہ نامہ نقوش/محولہ سابقہ/ص نمبر ۸ تا ۹

۳) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول/ ماہ نامہ نقوش/محولہ سابقہ/ص ۱۰ تا ۱۱

۴) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول/ ماہ نامہ نقوش/محولہ سابقہ/ص ۱۱ تا ۱۲

۵) القرآن/ سورۃ الشعراء/۲۱۴

۶) عثمانی، علامہ شبیر احمد/تفسیر عثمانی / لاہور، پاک کمپنی/ تاریخ ندارد/ص ۵۰۱

۷) طبری، ابو جعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم و الملوک / مصر قاہرہ، مطبعۃ الا ستقامۃ

/ ۱۳۵۷ء/ ۱۹۳۹ء/ص ۱/ ۶۱

۸) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک/محولہ سابقہ/ص ۱/ ۶۳

۹) سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان / رحمتہ اللعالمین/ لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب/ تاریخ ندارد/ص ۱/ ۴۹

۱۰) سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان/ رحمتہ للعالمین/محولہ سابقہ/ص ۱/ ۵۳

۱۱) محمد میاں، سید/محمد رسول اللہ/ لاہور، مکتبہ محمودیہ/ ۱۹۹۸/ص ۲۵۴ تا ۲۵۵

۱۲) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/مصر، مطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی مصر قاہرہ، / ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء/ص ۱/ ۲۸۴ تا ۱/ ۲۸۵

۱۳) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۳۱۱ تا ۲/ ۳۱۲

۱۴) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۲۲ تا ۲/ ۲۳

۱۵) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۲۳

۱۶) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۲۴ تا ۲/ ۲۵

۱۷) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۸۴

۱۸) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۸۴

۱۹) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۸۴

۲۰) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۸۴ تا ۲/ ۸۵

۲۱) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/ السیرۃ النبویۃ/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۸۴ تا ۲/ ۸۵

۲۲) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)/ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/ کراچی، نفیس اکیڈمی/ص ۱/ ۱۰۸،

☆ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۶۰

۲۳) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری)/ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/محولہ سابقہ/ص ۱/ ۱۰۸ تا ۱/ ۱۰۹

☆ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۲/ ۶۰ تا ۲/ ۶۱

۲۴) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری) ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/ص ۱/ ۱۰۹، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں

☆ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۲/۶۲
۲۵) ندوی، سید ابوالحسن علی / نبی رحمت ﷺ/کراچی، مجلس نشریات اسلام / ۱۴۰۹ھ /۱۹۸۹/ص ۱۹۱
۲۶) مبارک پوری، صفی الرحمٰن/ الرحیق المختوم (اردو)/ لاھور، المکتبۃ السلفیۃ/ ۱۳۱۶ھ ص ۴۶۵ تا ۴۶۶
۲۷) مبارک پوری، صفی الرحمٰن/ الرحیق المختوم (اردو)/محولہ سابقہ/ ۴۶۹ تا ۴۷۰
۲۸) مبارک پوری، صفی الرحمٰن/ الرحیق المختوم (اردو)/محولہ سابقہ/ ۴۷۰ تا ۴۷۱
۲۹) مبارک پوری، صفی الرحمٰن/ الرحیق المختوم (اردو)/محولہ سابقہ/ ۴۷۰ تا ۴۷۱
۳۰) مبارک پوری، صفی الرحمٰن/ الرحیق المختوم (اردو)/محولہ سابقہ/ ۴۷۰
۳۱) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۴/۵۶ تا ۴/۵۷
۳۲) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۴/۵۹ تا ۴/۶۰
۳۳) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول ﷺ/ ماہنامہ نقوش/ص ۱۲ تا ۱۳
۳۴) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسول ﷺ/ ماہنامہ نقوش/ص ۱۳
۳۵) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری) ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/ص ۲/ ۶۸ تا ۲/ ۷۰
۳۶) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۱/۳۷۱
۳۷) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۱/۳۷۱
۳۸) ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک/محولہ سابقہ/ص ۱/۳۷۵
۳۹) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری) ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/ص ۲/ ۴۶۹ تا ۲/ ۴۷۱
۴۰) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر/ تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری) ترجمہ اردو، سید محمد ابراہیم ندوی/ص ۲/ ۴۷۲
۴۱) محمد میاں، سید/ محمد رسول اللہ/ محولہ سابقہ/ص ۲۸۹
۴۲) منصور، فیض اللہ/ مکالمات رسولؐ/ ماہ نامہ نقوش/ص نمبر ۴۳